سلسلۂ کتابی

المصداق

حیدرآباد

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

ہاشمی ۱۳۷۰ ہجریہ

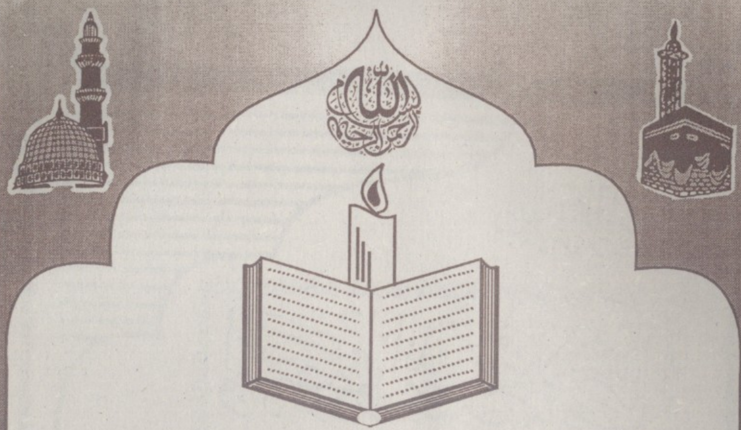
مرتّب: شاہ انجم بخاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ مت ڈالو (القرآن)

جن لوگوں پہ ہے انعام ترا، اُن لوگوں میں لکھ دے نام مرا
محشر میں مرا رہ جائے بھرم اللہ کرم اللہ کرم
(صبیح رحمانی)



قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰہُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

(آل عمران آیت نمبر ۳۱)

ترجمہ: اے محبوب آپ فرما دیجئے کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

الداعی الی الخیر

ہاشم ٹریڈرس پنجگور

مومن کی دُعا

"اے میرے رب! مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکرادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے اور صلاح (ورُشد) کو میرے لیے میری اولاد میں راسخ فرمادے۔ بے شک میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں تیرے حکم کے سامنے سر جُھکانے والوں میں سے ہوں"۔ (الاحقاف آیت ۱۵)

الداعی الی الخیر

یکے از بندگانِ خدا

الحدیث

حضور ﷺ نے فرمایا: "تم پر ایسے لوگ بھی حکومت کریں گے جن کی بعض باتوں کو تم معروف پاؤ گے اور بعض کو منکر، تو جس نے اُن کے منکرات پر اظہار ناراضی کیا وہ بری الذمہ ہوا۔ اور جس نے اُن کو ناپسند کیا وہ بھی بچ گیا مگر جو اُن پر راضی ہوا اور پیروی کرنے لگا وہ ماخوذ ہوگا" صحابہ نے پوچھا" پھر جب ایسے حکام کا دور آئے تو کیا ہم اُن سے جنگ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا" نہیں، جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں" (مسلم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولاے صلّ وسلّم دائماً ابداً علیٰ حَبیبك خَیرِ الخلق کُلّهِمِ

بیاد امام اہل سنت، محقق علی الاطلاق، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز

(۹۵۸ھ۔۱۰۵۲ھ)

کتابی سلسلہ

المصداق حیدرآباد

مجلس شیخ عبدالحق محدث دہلوی حیدرآباد کا دینی، علمی اور تحقیقی مجلّہ

کتابی سلسلہ (۸)

۲۰۰۳ء ۔ ۲۰۰۴

زیر اہتمام

مجلس شیخ عبدالحق محدث دہلوی

مشاورت

☆مراسلت کے لیے پتا: ۵۵۶۔امانی شاہ کالونی یونٹ نمبر ۱۱، لطیف آباد حیدرآباد، سندھ، فون نمبر: ۸۶۷۱۲۰۔۰۲۲۱

ترسیلِ زر کے لیے: دینی و تبلیغی کتب کی اشاعت کے لیے کرم فرما حضرات اپنے چیک / ڈرافٹ ''سالنامہ المصداق حیدرآباد'' (کرنٹ اکاؤنٹ نمبر ۷۵۔۶۰۱۷ حبیب بینک لمیٹڈ شاخ لطیف آباد نمبر ۷) کے نام ارسال فرمائیں۔ مجلس کے تمام متعلقین کی خدمات اعزازی ہیں۔

نوٹ: مطبوعاتِ مجلس کے جملہ محاصل علمی، تحقیقی اور تبلیغی مقاصد کے لیے وقف ہیں۔

سلسلۂ اشاعت: کتابی سلسلہ نمبر ۸، برائے ۲۰۰۴ء۔۲۰۰۳ء

ناشر: مجلس شیخ عبدالحق محدث دہلوی (پاکستان) حیدرآباد، سندھ

زرِتعاون: =/۵۰ روپے

کمپوزنگ: محمد مرتضیٰ میو

تشکر: سرورق پر خطاطی کے نمونے اور اس کے متعلق حسب ذیل معلومات کی فراہمی کے لیے ادارہ جناب محمد راشد شیخ (انجینئر) کا شکرگزار ہے۔

''عراق کے نامور خطاط ہاشم محمد بغدادی مرحوم (۱۹۱۷ء۔۱۹۷۳ء) کے قلم سے خطِ ثلث جلی میں سورۃ القلم کی آیت نمبر ۴ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ۝ ''اور بے شک آپ عظیم الشان خُلق کے مالک ہیں''۔ ترجمہ: پیر کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ]

ہاشم محمد مرحوم نے اسے نہایت خوبصورت انداز میں بیضوی شکل میں لکھا جس میں ع اور ح کے دائروں کا توازن قابلِ دید ہے''۔

اگر آپ مجلس شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے اغراض و مقاصد سے متفق ہیں تو اس کی رکنیت حاصل کیجیے۔ ہم آپ کے تعاون کے منتظر ہیں۔ **طریقہ کار:** سالانہ =/۱۰۰ روپے بذریعہ منی آرڈر بنام مدیر ارسال فرما کر رکنیت / تجدید رکنیت حاصل کریں۔ مجلس کا تحقیقی، علمی و دینی لٹریچر خود بھی مطالعہ کیجیے اور اپنے حلقۂ احباب کو بھی دعوت مطالعہ دیجیے۔

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

اللہ وحدہٗ لاشریک کی حمد وثنا کے بعد اس کا بے حد وحساب شکر بجالاتا ہوں، جس کی توفیق کے بغیر کوئی بھی کارِ خیر انجام نہیں پاسکتا۔ اور لاکھوں کروڑوں درود وسلام اس کے حبیبِ کریم، شفیع المذنبین، ختم المرسلین ﷺ پر جو مومنین کے لیے رؤف ورحیم ہیں۔ اور سلامِ عقیدت پیش کرتا ہوں اپنے آقا ومولا حضور پرنور ﷺ کی نسبت پانے والے جملہ اہلِ بیت اطہار وجمیع اصحاب کرام اور تابعین وتبع تابعین کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بارگاہ میں، اور گُل ہائے عقیدت کا نذرانہ پیش کرتا ہوں، جمیع اولیائے اُمت وعلمائے حق کی خدمت اقدس میں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

محترم قارئین کرام! ''المصداق'' کا تازہ شمارہ (۲۰۰۴ء۔۲۰۰۳ء) آپ کے پیشِ نظر ہے اُمید کی جاتی ہے کہ یہ ارمغان علمی بھی حسبِ سابق پسندِ خاطر ہوگا۔

گزشتہ شمارے کو آپ نے جو پذیرائی بخشی اس کے لیے احقر بے حد ممنون ہے۔ آپ کی حوصلہ افزائی کی بدولت ہی ہمیں اس پرچے کو خوب سے خوب تر بنانے کی تحریک ملتی ہے۔ جن کرم فرما حضرات نے ہماری کاوشوں کو سراہا ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور جن مخلصین نے پرچے کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے مفید مشورے عنایت کیے، اُن کا بھی بے حد شکر گزار ہوں۔

بقول شخصے کام کریں گے تو خوبیوں کے ساتھ ساتھ نادانستہ غلطیاں بھی سرزد ہوسکتی ہیں

لیکن جب کوئی کام ہی نہ کیا جائے تو اچھائی برائی کا کیا سوال؟ کام کوئی بھی ہو، مشاورت بہت ضروری ہے۔ اختلاف رائے کا ہونا تو فطری ہے مگر اتنا ضرور ہو کہ ہر موقعے پر نیک نیتی کا مظاہرہ کیا جائے اور بدگمانی سے بچا جائے وگرنہ سب کچھ بے کار ہے۔ حُسنِ نیت ہی کی بدولت ذرّہ بھر نیکی بھی مقبول ہے اور اگر خدانخواستہ مقصود ہی ریا کاری ہو تو پھر بڑے سے بڑا عمل بھی غیر مقبول اور بے سود ہے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ المصداق کی ترتیب واشاعت الحمدللہ نیک نیتی کی بناء پر کی جارہی ہے اور انشاء اللہ آیندہ بھی ہماری ناچیز کاوشوں کی اساس یہی جذبہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا ہے۔ مجلسِ ہٰذا کی اعانت وسرپرستی فرمانے والے کرم فرما حضرات جس فراخ دلی سے محض رضائے الٰہی کے حصول اور حبیبِ کریم ﷺ کی خوشنودی کی خاطر دامے درمے، سخنے، قدمے تعاون فرما رہے ہیں اسے دیکھ کر دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ ہمارے معاونین اور سرپرستوں کو سلامت باکرامت رکھے اور انھیں دینی ودنیاوی نعمتوں سے خوب خوب نوازے'' آمین۔

محترم قارئین کرام! آپ کے مشورے ہمارے لیے راہ نما کا کام کرتے ہیں۔ یہ آپ کی بڑی عنایت ہے۔ المصداق کے سابقہ شمارے کو بھی آپ نے بے حد پسند کیا خاص طور پر احمد اللہ شاہ مدراسی'' کے حوالے سے جناب پروفیسر شفقت رضوی کے مقالے نے بہت توجہ حاصل کی۔ اس مقالے کے بارے میں بعض قارئین نے توجہ دلائی کہ اسے علاحدہ شائع کیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔ بعض کرم فرماؤں نے المصداق کی محبت میں یہ مشورہ بھی دیا کہ اس رسالے میں صرف حضرت شیخ محقق علیہ الرحمہ سے متعلق مواد ہی کو جگہ ملنی چاہیے۔ دیگر مطبوعات کا سلسلہ علاحدہ رکھیں۔ چوں کہ یہ تجویز کہ ''دیگر سلسلۂ مطبوعات کو علاحدہ رکھا جائے''، صائب ہے، لہٰذا ہم بھی اس پر صاد کرتے ہیں۔

کتابوں کے تعارف وتبصرے کے ذیل میں بصدِ ادب صرف یہ عرض کرنا ہے کہ یہ سلسلہ ہم جاری رکھنا چاہتے ہیں اس طرح علم وادب کا فروغ ہوتا ہے، نئی کتابوں کا علم ہوتا ہے۔ عصری دینی ادب کے بارے میں قارئین المصداق کو اپنا نقطۂ نظر قائم کرنے میں آسانی رہتی ہے، شائقین کو نئے خزانوں کے نقشے فراہم ہوتے ہیں۔

مجلس ہٰذا کے اغراض ومقاصد کے پیشِ نظر گزشتہ سال سے اب تک المصداق کے خاص

شمارے کے علاوہ مزید دو کتابیں قارئین کی خدمت میں پیش کی گئیں۔

(۱)مُعید الایمان (۲)روضات

ان دونوں کتابوں کے بارے میں بھی ہمارے قارئین نے خطوط کے ذریعے اپنی آراء سے آگاہ کیا۔ پسندیدگی کے کلمات سے ہمیں شاد کیا۔ اور حوصلہ افزائی فرما کر آیندہ کے لیے بہتر عمل کا جذبہ دیا۔ ان کتابوں کے بارے میں خطوط کی آمد کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ تجاویز، مشورے، خوبیاں، خامیاں سبھی کچھ معلوم ہو رہا ہے۔ ہم ان تجاویز اور مشوروں پر عمل پیرا ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، غلطیوں پر نادم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور معافی کے خواستگار رہتے ہیں، پذیرائی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں۔ انشاءاللہ ہم اپنے قارئین کے ان مفید مشوروں کی روشنی میں آیندہ کا لائحہ عمل تیار کریں گے۔

یہ محض فضلِ ربانی اور صدقۂ نور یزدانی ﷺ ہے جس کے باعث ہی یہ شمارہ مرتب ہو سکا۔ رسالے کے مقالات و مضامین کے انتخاب میں حسبِ سابق افادۂ عام کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔ کیوں کہ حضرت شیخ محدث علیہ الرحمہ کی تعلیمات حقّہ سے عامّۃ المسلمین کو روشناس کرانا ہمارے اوّلین مقاصد اور اہداف میں شامل ہے۔

راقم الحروف کو اپنی کم علمی کا اعتراف ہے اسی لیے اہل علم کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اگر کوئی غلطی، یا کوتاہی نظر میں آئے تو خیر خواہی و اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی اصلاح اور نشان دہی فرمادیں انشاءاللہ تسلیم و قبول میں دیر ہوگی نہ کوئی عار۔

یہ حقیر سا نذرانہ عارف کامل، ولیِ دائم الحضوری، قاطعِ بدعت، ماحیِ سنت، تاج المحدثین برکت مصطفیٰ فی الہند، صاحب الحق المبین، بحرِ ذخار علوم، کشّاف اَسرار مکتوم کی خدمت اقدس میں بصدِ عجز و نیاز پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں، اگرچہ خوب جانتا ہوں کہ یہ آپ کے شایانِ شان ہرگز نہیں مگر اس اونچی بارگاہِ ولی کی چوکھٹ پر نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی ایک پُرشوق اور مقدور بھر کوشش ضرور ہے:

ع گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

دعوتِ حق

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝

(قٓ: ۴۵)

ترجمہ:

پس آپ نصیحت کرتے رہیے اس قرآن سے ہر اُس شخص کو جو (میرے) عذاب سے ڈرتا ہے۔

(القرآن)

ضیاء القرآن

حضرت مولانا پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیمO بسم اللہ الرحمن الرحیمO

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ O اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ O [الاحقاف آیت نمبر ۹، پارہ حٰم ۲۶، جلد چہارم ص ۴۷۶]

ترجمہ:

آپ کہیے میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں (۱) اور میں (از خود یہ) نہیں جان سکتا کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور کیا کیا جائے گا تمھارے ساتھ۔ میں تو پیروی کرتا ہوں جو وحی میری طرف کی جاتی ہے اور میں نہیں ہوں مگر صاف صاف ڈرانے والا (۲)۔

تفسیر:

(۱) حضور رحمتِ عالم ﷺ کی نبوت پر کفار طرح طرح کے اعتراضات کرتے۔ کبھی کہتے یہ بشر ہے۔ بھلا بشر بھی منصبِ نبوّت پر فائز ہو سکتا ہے؟ کبھی کہتے یہ تو بالکل ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ بھلا رسول سے بھی ایسے معمولی کام سرزد ہوتے ہیں؟ کبھی کہتے اگر خدا کو رسول بنا کر بھیجنا ہی تھا تو وہ کیا ایسے شخص کو رسول بناتا جس کے پاس نہ مال، نہ دولت، نہ خدم، نہ حشم، نہ بھائی، نہ اعوان و انصار، بھلا یہ بھی کوئی تک ہے؟ ہمارے ہاں بڑے بڑے رُؤسا ہیں جو زیرک بھی ہیں اور تجربہ کار بھی۔ ان کے اثر و رسوخ کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ عرب کے تمام قبائل کے دلوں پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ ان کی دولت و ثروت کے افسانے دور دور تک مشہور ہیں۔ منصبِ رسالت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کیوں کسی کو منتخب نہ کیا۔ پھر وہ فرمائش کرتے ہیں کہ ہم تب مانیں گے اگر یہ خشک کالے پہاڑ یہاں سے دور ہٹا دیے جائیں، حدِ نگاہ تک ہموار میدان ہو، اس میں چشمے اُبلنے لگیں، نہریں بہنے لگیں وغیرہ وغیرہ۔ ان سب ہرزہ سرائیوں کے جواب میں صرف ایک ہی پُر مغز بات فرمانے کا حکم دیا کہ اے رونقِ بزمِ ہستی! اے شمعِ محفلِ امکان! آپ انھیں کہیں کہ کیا میں نرالا رسول ہوں، مجھ سے پہلے کوئی نبی اور رسول نہیں آیا؟ اگر میں پہلا

رسول ہوتا تو تمھاری ان اُکھڑی اُکھڑی باتوں میں کچھ وزن ہوتا اور ان کے جواب کی طرف توجہ کی جاتی۔ جب مجھ سے پہلے کثیر تعداد میں پیغمبر آچکے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم بھی مانتے ہو اور ان کا احترام کرتے ہو۔ کیا وہ انسان نہ تھے؟ کیا وہ کھاتے پیتے نہ تھے؟ کیا وہ زر و سیم کے انباروں کے مالک تھے؟ کیا وہ اپنی اُمّت کی ایسی بے ہودہ فرمائشوں کو پورا کیا کرتے تھے؟ جب ایسا نہیں تھا تو تم میرے متعلق یاوہ گوئی کیوں کرتے ہو۔ میرا کام ظاہری چشمے جاری کرنا نہیں۔ میں تو معرفتِ الٰہی کے چشموں سے تمھارے اُجڑے ہوئے چمنِ حیات کو ازسرِ نو بہار آشنا کرنے آیا ہوں۔ ان پہاڑوں کو تو تم ڈائنامٹ سے بھی اُڑا سکتے ہو۔ میں ایسے حجابات اُٹھانے کے لیے آیا ہوں جنھوں نے تمھارے دلوں کی آنکھوں کو اندھا بنا رکھا تھا۔ مجھ سے جو اور چنے کے بھاؤ نہ پوچھو۔ مجھ سے اپنے ربّ کریم کے قرب و رضا کے طریقے سیکھو۔ میں تمھیں اس بتکدۂ تصورات سے نکال کر حریم ذات تک لے جاؤں گا۔ مجھ سے اس چور کے بارے میں سوال نہ کرو جو تمھارا گھوڑا اور اونٹ چرا کر لے گیا ہے۔ مجھ سے اس راہزن اور ڈاکو کا پتا پوچھو جو دن دہاڑے تمھارے ایمان و ایقان کے خزانوں پر ڈاکہ ڈال رہا ہے۔ اس کا پورا پتا اور نشان بتاؤں گا تم اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لو گے۔ کیا ہوا اگر میرے پاس خزانے نہیں۔ کیا دنیا کے شہنشاہوں کے خزانوں کے قیمتی موتی، علوم و معارف، اسرار و لطائف کے ان درہائے آبدار کا مقابلہ کر سکتے ہیں جن سے میرے رب نے مجھے سرفراز فرمایا ہے۔ پیغمبر تمھارا نوکر نہیں ہوتا کہ تمھاری فرمائشوں کی تعمیل میں لگا رہے، وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور تمھارا آقا ہے۔ وہ تو صرف اور صرف اپنے رب کی فرمانبرداری کرے گا۔ ہاں! تمھاری عزت و شرف اس میں ہے کہ تم بے چون و چرا اس کی اطاعت کرو۔

ایک ہی فقرہ سے ان کی تمام ہزلیات کا دندان شکن رد فرما دیا۔

(۲) آیت کے اس حصّہ کی تفسیر کرتے ہوئے علماء کرام نے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں۔ پہلے میں ان کے ارشادات نقل کروں گا اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو مفہوم میں سمجھا ہوں، اسے آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

بعض کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی عاقبت اور انجام کے بارے میں (معاذ اللہ) کچھ خبر نہ تھی اور نہ ہی دوسرے لوگوں کے احوال آخرت کا کوئی علم تھا۔

اس قول کے مطابق آیت کا معنی ہوگا کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ قیامت کے روز میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا اور نہ مجھے یہ علم ہے کہ تمھارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا۔

کفار، یہود اور منافقین نے جب یہ آیت سنی تو کہنے لگے کہ ایسے نبی پر ایمان لانے سے کیا حاصل! جسے اپنے انجام کی بھی خبر نہیں۔ ہم نہ کہتے تھے کہ یہ قرآن ان کا اپنا گھڑا ہوا ہے۔ اگر یہ منزّل من اللہ ہوتا تو کیا اللہ تعالیٰ انھیں یہ بھی نہ بتاتا کہ روزِ حشر ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی ہرزہ سرائی کو ختم کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ اس آیت سے وہ پہلی آیت (مَا اَدْرِیْ) منسوخ ہوگئی۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! مبارک صد مبارک! حضور کو تو اپنے بارے میں علم ہو گیا لیکن ہم غلاموں کا کیا حال ہوگا؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ۔ اللہ تعالیٰ ایماندار مردوں اور عورتوں کو جنّت میں داخل کرے گا جہاں نہریں بہتی ہیں۔

علماء محققین نے اس قول کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کیوں کہ یہ خبر ہے اور نسخ اخبار کا نہیں ہوتا، اوامر و نواہی کا ہوتا ہے۔ نیز یہ آیت مکی ہے اور سورۂ فتح کی آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر سالہا سال بعد نازل ہوئی حالانکہ اگر کسی آیت میں اجمال ہو تو اس کے بیان میں تاخیر ناروا ہے۔ نیز سورت کی ابتداء سے خطاب کفار و مشرکین سے ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم دیں کہ تم کفار کو بتادو کہ مجھے اپنے انجام کی خبر نہیں۔ کفار بڑی آسانی سے یہ کہہ کر حضور کی دعوت کو مسترد کر سکتے تھے کہ جب آپ کو اپنے بارے میں کچھ خبر نہیں تو پھر ایک غیر یقینی چیز کی طرف دعوت دینے کے لیے یہاں کیسے آدھمکے؟ جائیے تشریف لے جائیے۔ چنانچہ ابن جریر طبری، قرطبی، مظہری اور دیگر اکابر نے اس قول کو تسلیم نہیں کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روزِ اوّل سے اپنی نجات کا یقین تھا۔

قرآن کریم کی کثیر التعداد آیات ہیں جن میں اہلِ ایمان کو مغفرت کا مژدہ ہے اور منکرین کو دوزخ کی وعید۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعزازات کا ذکر قرآن میں بھی بڑی شرح و بسط سے موجود ہے اور احادیث طیّبہ میں بھی۔ مقام محمود شفاعت کبریٰ، کوثر وغیرہ ان امور کا کیسے انکار کیا

جا سکتا ہے؟ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخرَ بِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخرَ وَ آدَمُ وَمَاسِوَاہُ تَحْتَ لِوَائِیْ وَلَا فَخرَ۔ قیامت کے روز اولادِ آدم کا میں سردار ہوں گا۔ حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔ آدم اور دیگر پیغمبروں کو میرے جھنڈے کے نیچے پناہ ملے گی۔ یہ باتیں فخر یہ طور پر نہیں کہہ رہا، حقیقت کا اظہار کر رہا ہوں۔

ایسی بے شمار احادیث صحیح ہیں جن میں حضور ﷺ کے مقامات رفیعہ اور درجاتِ سنیہ کا ذکر موجود ہے۔ حضور سرورِ عالم ﷺ نے تو اپنے متعدد غلاموں کے بارے میں نام لے کر ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی۔ عشرہ مبشرہ کے اسمائے گرامی سے کون واقف نہیں۔ حسنین کریمین کے متعلق فرمایا: سید اشباب اھل الجنۃ۔ یہ دونوں شہزادے اہلِ جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے۔ حضرت ثابت بن قیس، جن کا تفصیلی ذکر سورۂ حجرات میں آرہا ہے کے متعلق فرمایا اے ثابت! اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَعِیْشَ حَمِیْدًا وَتُقْتَلَ شَھِیْدًا وَتَدْخُلَ الْجَنَّۃَ۔ کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ تم عزت و آرام سے زندگی بسر کرو۔ تمھیں شہادت کا شرف بخشا جائے اور تم جنت میں داخل ہو۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات سے کتبِ احادیث بھری پڑی ہیں۔

ان آیاتِ محکمات اور احادیثِ صحیحہ کی موجودگی میں یہ کہنا بڑی گستاخی ہے کہ حضور ﷺ کو اپنے انجام کی خبر نہ تھی۔ (معاذ اللہ)

دوسرا قول:

یہ ہے کہ دنیا کے حالات سے بے خبری کا اعلان مقصود ہے کہ مجھے اس کا علم نہیں کہ دنیا میں میرا کیا حال ہوگا۔ میں شہید کیا جاؤں گا یا یہاں سے نکال دیا جاؤں گا۔ اسلام کامیاب ہوگا یا کفر کو غلبہ ہوگا۔ مسلمانوں کا مستقبل تابناک ہوگا یا تاریک وغیرہ وغیرہ لیکن اگر اس آیت کو دوسری قرآنی آیات کی روشنی میں دیکھا جائے اور منکرینِ حدیث کی طرح تمام احادیث کو من گھڑت نہ قرار دیا جائے تو یہ قول بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے دینِ حق کے غلبہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامیابی کا ذکر قرآنِ کریم میں بار بار فرمایا ہے:

ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ۔

دوسری جگہ ہے: اِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الغَالِبُونَ۔ ارشاد ہے: وَاِنَّ حِزبَ اللّٰهِ هُمُ المُفلِحُونَ کہ مسلمانوں کے ساتھ نصرت اور کامیابی کا پختہ وعدہ بھی کیا گیا ہے۔ وَكَانَ حَقًّا عَلَينَا نَصرُ المُؤمِنِينَ یعنی ہمارے ذمۂ کرم پر یہ لازم ہے کہ ہم اہلِ ایمان کی مدد ضرور کریں گے۔

وہ آیات جو عہدِ نبوت کے بالکل ابتدائی ایام میں نازل ہوئیں ان کے نزول کے بعد بھی اپنے مستقبل کے بارے میں حضور ﷺ کو کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ سورۂ والضحیٰ میں صاف طور پر ارشاد فرمایا وَلَلاٰخِرَةُ خَيرٌ لَّكَ مِنَ الاُولٰى۔ وَلَسَوفَ يُعطِيكَ رَبُّكَ فَتَرضٰى۔ اے محبوب! آپ کا ہر آنے والا لمحہ گزرے ہوئے لمحے سے بہتر ہوگا۔ آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہوجائیں گے۔

غزوۂ خندق پر نگاہ ڈالیے۔ صرف کفارِ مکہ نہیں بلکہ جزیرۂ عرب کے جملہ مشرک قبائل نے مدینہ پر دھاوا بول دیا ہے۔ ان کا ایک لشکرِ جرار مدینہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ان کے دفاع کے لیے خندق کھودی جارہی ہے۔ کڑاکے کی سردی ہے، کئی کئی وقت کا فاقہ ہے۔ یہودی جو مدینہ طیبہ میں آباد ہیں انھوں نے کفارِ مکہ کے ساتھ ساز باز کر رکھی ہے کہ باہر سے تم ہلّہ بول دینا، اندر سے ہم یلغار کردیں گے۔ ظاہری حالات اس قدر مخدوش ہیں اور فضا اتنی ناساز گار ہے کہ ایک عام شخص بڑی خوش فہمی کے باوجود مسلمانوں کی کامیابی کی پیش گوئی نہیں کرسکتا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کا محبوب جب ایک چٹان کو توڑنے کے لیے ضرب لگاتا ہے تو چٹان کا تیسرا حصہ ٹوٹ کر الگ ہوجاتا ہے اور ساتھ ہی ربانِ نبوّت سے یہ اعلان ہوتا ہے کہ مجھے ملک ایران کی کنجیاں دے دی گئیں۔ مجھے قیصر کے شاہی خزانے دیے گئے۔ مجھے یمن کی کنجیاں دے دی گئیں اور جن ممالک کی کنجیاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو عطا فرمائی تھیں ان کا عملی طور پر ظہور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ مبارک میں ہوا۔

حضرت حذیفہ بن یمان، جن کا لقب رازدانِ رسول ﷺ ہے، فرماتے ہیں واللّٰه انّی لاعلم الناس بكل فتنة هى كائنة فيما بينى و بين الساعة ومابى الايكون رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم اسرّالىّ فى ذالك شيئى الخ (مسلم شریف جلد دوم ص ۳۹۰)

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ آج سے لے کر قیامت تک آنے والے جتنے فتنے ہیں ان میں سے ہر فتنہ کے متعلق میں تمام لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان فتنوں کی ہمیں خبردی۔

عن ثوبان رضی اللّٰہ عنہ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم وانہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النّبیّن لا نبی بعدی (ابوداؤد کتاب السنن)

ترجمہ: حضرت ثوبان فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں تیس کذّاب ہوں گے۔ ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد اور کوئی نبی نہیں ہوگا۔

ان آیات واحادیث کی موجودگی میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کو یہ علم نہیں تھا کہ دنیا میں آپ کے ساتھ آپ کے دین کے ساتھ اور آپ کی اُمت کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ:

''ما ادری'' سے تفصیلی علم کی نفی ہے کہ میں تفصیلاً نہیں جانتا۔ اگرچہ اجمالاً جانتا ہوں۔ ان تینوں اقوال سے کوئی بھی ایسا نہیں جو دل کو مطمئن کر سکے۔ لیکن اگر ''ما ادری'' کی تحقیق کی جائے تو ساری تشویش دور ہو جاتی ہے۔ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

علامہ راغب اصفہانی اپنی شہرۂ آفاق مفردات القرآن میں اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الدرایۃ: المعرفۃ المدرکۃ بضرب من الختل یقال دریت بہ دریۃ نحو فطنت و شعرت ۔۔۔ والدریۃ لاتستعمل فی اللّٰہ تعالیٰ وقول الشاعر لاھُمَّ لادری وانت الداری فمن تعجرف اجلاف العرب (مفردات) یعنی درایت اس معرفت کو کہتے ہیں جو ظن وتخمین سے حاصل ہوتی ہے۔ فہم وذہانت سے کسی چیز کو سمجھنا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ درایت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ شاعر کا یہ مصرع جس میں

اللہ تعالیٰ کو "الداری" کہا گیا ہے، یہ شاعر کا جاہلانہ اُجڈ پن ہے۔

علامہ زبیدی شارحِ قاموس اپنی مایہ ناز تصنیف تاج العروس میں اس کی تحقیق کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

دریتهٗ وبه . . . علمته۔ قال شیخنا صریحه اتحاد العلم والدرایة۔ وصرّح غیره بان الدرایة اخص من العلم او علمتُهٗ بضرب من الحیلة ولذا لایطلق علی اللّٰه تعالیٰ واما قول الراجِز لاھُمَّ لادری وانت الداری فن عجرفة الاعراب (تاج العروس)

ترجمہ:

یعنی درایت بذاتِ خود بھی متعدّی ہوتا ہے اور بآء کے ساتھ بھی اس کا تعدیہ کیا جاتا ہے۔ درایت کا معنی ہے میں نے جان لیا۔ میرے شیخ کہتے ہیں کہ علم و درایت ہم معنی ہیں، لیکن دوسرے علماءِ لغت نے تصریح کی ہے کہ درایت علم سے خاص ہے یا حیلہ و قیاس سے کسی کو جاننا درایت کہلاتا ہے۔ اسی لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں کیا جاتا اور ایک رجز گو نے درایت کی نسبت اس مصرعہ میں ذاتِ باری کی طرف کی ہے، یہ اس کا گنوار پن ہے۔

علامہ ابن عابدین نے درایت کی تشریح ان الفاظ سے کی ہے۔ الدرایة ای ادراک العقل بالقیاس علی غیرہ۔ یعنی عقل کا بذریعہ قیاس کسی چیز کو جاننا۔ (ردالمختار، جلد اوّل، ص ۹۷)

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ درایت کا مفہوم یہ ہے کہ غور و فکر، ظن و تخمین اور قیاس آرائی سے کسی چیز کا علم حاصل کرنا۔ یہ مفہوم ذہن نشین کر کے اب آیت میں غور کریں، ادنیٰ سا شبہ بھی باقی نہ رہے گا۔ نہ تخصیص کی ضرورت پڑے گی۔ نہ نسخ کا قول کرنا پڑے گا۔ آیاتِ قرآنی میں باہمی تضاد یا احادیثِ صحیحہ سے تعارض کی نوبت بھی نہ آئے گی۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ ان کفار کو بتا دیجیے کہ میں اپنی عقل و فہم، ذہانت و فطانت اور قیاس سے نہ یہ جانتا ہوں کہ آخرت میں میرے ساتھ اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ نہ میں یہ جان سکتا ہوں کہ اس دنیا میں میرا، مجھ پر ایمان لانے والوں کا اور

میری اس دعوت کا انجام کیا ہوگا یا تمھاری سرکشی کی تمھیں کب اور کیا سزا ملے گی۔ ان امور کو میں اپنی فہم وفراست سے نہ تفصیلاً جان سکتا ہوں اور نہ اجمالاً، میرا علمی سرمایہ میری عقل وشعور کا اثر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اگر میں نے غور وفکر سے ان حقائق کو جانا ہوتا تو اس میں شک وشبہ کی گنجائش ہو سکتی تھی اور تمھیں یہ حق پہنچتا تھا کہ اس کو جانچو اور اپنی کسوٹی پر پرکھو، لیکن میرا علم تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اس میں شک وشبہ کا ذرا شائبہ نہیں۔ ''مَا اَدرِی'' سے درایت کی نفی ہے۔ مَا یُوحیٰ اِلَیَّ سے علمِ خداداد کا ثبوت ہے۔ سکھانے والا اللہ تعالیٰ ہو اور سیکھنے والا مصطفیٰ ﷺ ہو استاذ عالم الغیب والشہادہ ہو اور تلمیذ غارِ حرا کا گوشہ نشین ہو، بھیجنے والا رب العالمین ہو اور آنے والا رحمۃ للعالمین ہو، وہاں کمی رہے گی تو کیسے؟ کوئی نقص ہوگا تو کس جانب سے؟

آخر میں مفسرین کرام کی چند آراء بھی ملاحظہ فرمایئے۔ آپ کا آئینۂ دل ہر قسم کے گرد وغبار سے پاک ہو جائے گا۔

علامہ ابن جریر طبری نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک قول حضرت حسن بصریؒ کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اما فی الآخرة فمعاذ الله قد علم انه فی الجنة حین أُخذ میثاقه فی الرسل ولکن قال ماادری مأیفعل بی ولا بکم فی الدنیا أُخرج کما أُخرجت الانبیاء۔

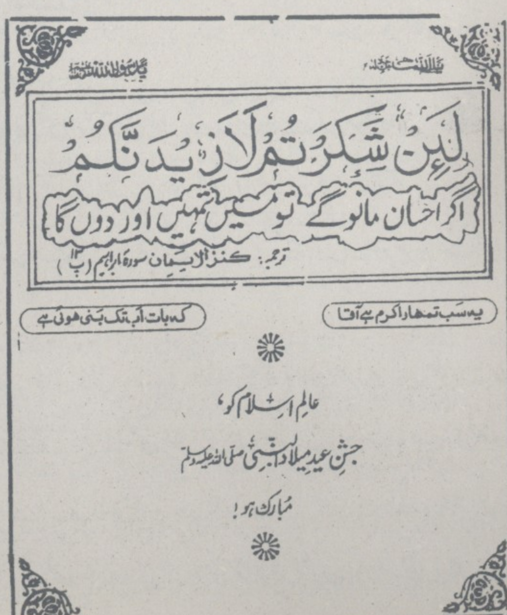
یعنی یہ کہنا کہ حضور ﷺ کو یہ علم نہ تھا کہ آخرت میں حضور ﷺ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا تو ایسی نازیبا بات سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ حضور ﷺ کو اس وقت سے اپنے ناجی ہونے کا علم تھا جب روزِ اوّل ارواحِ انبیاء سے حضور ﷺ پر ایمان لانے کا وعدہ لیا گیا تھا۔ بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں مجھے سابقہ انبیاء کی طرح جلاوطن کر دیا جائے گا یا نہیں۔ ابنِ جریر، حسن بصری کے قول کو صحیح قرار دیتے ہیں: ولکن ذلک کما قال الحسن ثم بین اللہ لنبیہ ماھو فاعل بہ وبمن کذّب بما جاءبہ من قومہ وغیرہ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو اس دنیا میں جو معاملہ حضور سے کیا جانے والا تھا اور جو سلوک آپ کی قوم اور دوسرے مکذّبین کے ساتھ ہونے والا تھا اس کو بیان کر دیا۔

علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں: وانہ لم ینف الا الدرایۃ من قبل نفسہ وما نفی الدرایۃ من جہۃ الوحی۔ یعنی خود بخود جان لینے کی نفی کی گئی ہے اور جو بذریعہ وحی عطا ہوا اس کی نفی نہیں۔

علامہ آلوسی نے تو بڑی شرح وبسط کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کیا ہے۔ والذی اختارہ ان المعنی علیٰ نفی الدرایۃ من غیر جھۃ الوحی سواء کانت الدرایۃ تفصیلیۃ اواجمالیۃ و سواء کان ذالک فی الامورالدنیویۃ الأخرویۃ واعتقدانہ ﷺ لم ینتقل من الدنیا حتی اوتی من العلم باللّٰہ تعالیٰ وصفاتہ وشئونہ والعلم باشیاء یعدُّالعلم بھا کمالًا مالم یعطہ احد غیرہ من العالمین۔ (روح المعانی)

ترجمہ: میرے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ نفی اس درایت کی ہے جو وحی کے بغیر ہو۔ خواہ تفصیلی ہو یا اجمالی، اس کا تعلق دنیوی واقعات سے ہو یا اُخروی حالات سے۔ آلوسی کہتے ہیں کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس دنیا سے انتقال نہیں فرمایا جب تک حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے شئون کا علم اور تمام ایسی اشیاء کا علم جو وجہ کمال ہے دے دیا گیا۔

واللّٰہ اعلم بالصواب وعندہ حسن الثواب والیہ المآب ٥



درسِ حدیث

اشعة اللمعات

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهُدٰى هُدٰى مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:

اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بعد حمدہ و صلوٰۃ بیشک بہترین کلام کتاب اللہ ہے اور بہترین سیرت محمد ﷺ کی سیرت ہے۔ اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں اپنے پاس سے نئے نکال لیے گئے ہوں۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

شرح:

(وعن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یعنی خطبہ میں حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی۔ (اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللّٰہ) بہترین کلام اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے۔ (وخیر الھدی ھدی محمد) اور تمام طریقوں اور سیرتوں میں سے بہترین سیرت

حضرت محمد ﷺ کا طریقہ اور آپ کی سیرت طیبہ ہے۔ (وشر الامور محدثاتھا) اور تمام چیزوں میں بدترین چیز وہ ہے جو دین میں نئی نکالی گئی ہو جسے بدعت کہتے ہیں۔ (وکل بدعۃ ضلالۃ) اور ہر بدعت گمراہی کا سبب ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جو کچھ حضور نبی کریم ﷺ کے بعد نکلا اور ظاہر ہوا بدعت کہلاتا ہے۔ پھر اس میں سے جو کچھ اصول کے موافق اور قواعد سنت کے مطابق ہو۔ اور کتاب وسنت پر قیاس کیا گیا ہو "بدعت حسنہ" کہلاتا ہے۔ اور جو ان اصول وقواعد کے خلاف ہو اسے بدعت ضلالت کہتے ہیں۔ اور کل بدعۃ ضلالۃ کا کلیہ اس دوسری قسم کے ساتھ خاص ہے اور جو بدعات حسنہ ہیں ان میں سے بعض کا اختیار کرنا واجب وضروری ہے۔ جیسے علم صرف ونحو کا سیکھنا سکھانا کہ اسی کے ذریعے آیات واحادیث کے معانی کی صحیح پہچان ہوتی ہے۔ اسی طرح کتاب وسنت کے غرائب اور مشکل مقامات کا حفظ اور ذہن نشین کرنا، اور دوسری بہت سی چیزیں اور علوم جن پر دین وملت کی حفاظت موقوف ہے۔ اور کچھ بدعات حسنہ مستحسن ومستحب ہیں۔ جیسے سرائیں اور دینی مدارس تعمیر کرنا۔ بعض بدعات مکروہ ہیں جیسے بعض علماء کے نزدیک مسجدوں اور قرآن مجید کی جلدوں اور غلافوں وغیرہ کی زیبائش وآرائش اور ان کا نقش ونگار بعض بدعات مباح ہیں جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزوں کی فراوانی اور لباس فاخرہ زیب تن کرنا بشرطیکہ یہ چیزیں حلال وجائز ذرائع سے حاصل ہوئی ہوں۔ تکبر اور ایک دوسرے پر فخر کا باعث نہ بن رہی ہوں۔ اسی طرح بعض اور چیزیں بھی مباح ہیں جو حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ اقدس میں نہ تھیں۔ جیسے آٹے کو چھلنی سے چاننا وغیرہ۔ اور بعض بدعات حرام ہیں جیسے اہل بدعت وہوا کے مذاہب باطلہ جو کتاب وسنت کے مخالف ہیں۔ اور جو جو نئی باتیں خلفائے راشدین نے اپنے دور میں اختیار کیں وہ اگرچہ اس اعتبار سے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ اقدس میں نہ تھیں بدعت کہلائیں گی۔ تاہم وہ بدعت ضلالہ نہیں ہیں بلکہ بدعت حسنہ ہوں گی۔ بدعت بھی نہیں درحقیقت سنت میں داخل ہیں کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت وطریقہ" کو مضبوطی سے پکڑے رہو رضی اللہ عنہم۔

[اشعۃ اللمعات (اُردو) جلد اوّل، کتاب الایمان، کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنے کا باب، فصل اوّل، مترجم: علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی، لاہور، فرید بک اسٹال، بار اوّل ۱۹۸۱ء، ص ۴۲۱]

مدح وثنا

خدا در انتظارِ حمدِ ما نیست
محمد چشم بر راہِ ثنا نیست
خُدا مدح آفرینِ مصطفےٰ بس
محمد حامدِ حمدِ خدا بس

(حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید قدس سرہٗ)

حمد

اے شاہِ حُسن! کس کو تری جستجو نہیں
برباد آرزو ہے وہ دل جس میں تو نہیں

صحرائے بے خودی میں بھٹکتا رہا مدام
وہ عشق جس میں تیری محبت کی بو نہیں

رگ رگ میں ٹیس کیوں ہے بتا دردِ عشق کی
تیرے سوا تو کوئی قریبِ گلو نہیں

دیکھا ہے تجھ کو چشمِ تمنا نے بار بار
لیکن یہ بات اور کہ تو روبرو نہیں

مقتل کی سرزمیں ہو کہ زنداں کا مرحلہ
عاشق ترا کہیں بھی تو بے آبرو نہیں

ہر شکل، تیرے نور کی آئینہ دار ہے
اے مستِ ناز اب مرا کوئی عدو نہیں

حُسنِ خیالِ یار نے سرشار کردیا
ستاؔر اب ضرورتِ جام و سبو نہیں



ستاؔر وارثی

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

ازافادات امام المحدثین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ

اے اللہ!

تو میرے ساتھ وہی سلوک کر جو ایک کریم و محسن آقا اپنے کمزور نوکر کے ساتھ کیا کرتا ہے اور وہ سلوک نہ کر جو ایک منصف و با اقتدار حاکم اپنے مفسد و عیار و بدکار ڈاکوؤں کے ساتھ کرتا ہے۔

اے پروردگار!

اگر تو ہم کمزوروں کے ساتھ انصاف کرے گا تو ہم تیرے حضور اپنی عاجزی اور پیمانۂ صبر کو پیش کریں گے اگرچہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی، لیکن کیا کریں سوائے عاجزی کے ہمارے پاس اور کیا ہے، اے اللہ تو نے اپنے بندوں کو پیدا ہی اس طرح کیا ہے کہ اپنا ہی نفع چاہتے ہیں، مخلوق میں یہ خصلت تو نے ہی بخشی ہے جس کے استعداد قابلیت اور ماہیت بیان کرنے کی ہم میں سکت نہیں ہے، اے اللہ! ہم نے قرآن کریم میں پڑھا ہے اور تیرے حبیب پاک نے ہمیں بتایا ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے فنا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ اے اللہ! تو نے اپنا یہ فرمان ہمارے دل نشین کردیا ہے ''مجھ سے مانگو، میں قبول کروں گا'' اے اللہ! تیری صفت حی و کریم ہے، تو اپنی تخلیق میں تبدیلی نہیں کرتا اور جو کچھ ہونے والا ہے اسے تیرا قلم لکھ کر خشک ہوگیا، تیرے افعال کی بابت کسی میں تجھ سے وجہ معلوم کرنے کی قوت نہیں ہے اور تیری بارگاہ میں کوئی بات بدلی نہیں جاتی، تو بڑا ہی رحیم و کریم ہے، اگر تو نے انسان میں فاعل ہونے کی قدرت رکھی ہے اور اسے شرط اولین قرار دیا ہے تو اس بیماری کا قیامت تک علاج نہیں ہوسکتا، اے پروردگار تیرے ہی لیے یہ امر سزاوار ہے کہ تیرے دربار سے کوئی دردمند محروم نہ رہے گا، اے اللہ! تو ہم پر رحم و کرم کر۔

اے اللہ!

ہم کو اطمینانِ قلب نصیب فرما کیوں کہ اس کے سوا اور کوئی چیز مفید نہیں اور وہ کشادگی اور فارغ البالی دے جس کے ذریعہ دنیا اور آخرت کے تمام مقصود پورے ہو جائیں، استغفر اللہ! مجھے ان باتوں سے کیا مطلب میں تو نہایت کمزور فقیر بھیک منگا ہوں، مجھے یقین کی قوت عنایت کر اور وہ سرمایہ دے کہ پھر مخلوق کی حاجت نہ رہے اور ایسی بخشش کر کہ میرا ظاہر و باطن آباد ہو جائے۔

اے اللہ!

تو جانتا ہے کہ میرے دل میں کتنی اُمیدیں اور آرزوئیں ہیں اور ساتھ ہی مجھے اپنی کمزوری اور بے بسی کا یقین بھی ہے، میں اپنا کوئی نصب العین مقرر نہیں کر سکتا کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ میرے مقصد کے خلاف ہی فائدہ ہو لیکن آخرت کے درجات جو مقرر ہیں ان کا آرزومند ہوں، کبھی دل میں خیال آتا ہے کہ یہ خواہش بھی طریقہ بندگی سے دور ہے، بندہ کو کوئی آرزو نہ کرنا چاہیے لیکن یہ بہت بڑی بات ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بندہ سراسر عاجز، آرزومند ہے، اے اللہ! مجھے یقین ہے کہ تمام دنیاوی خواہشوں کے درمیان موت حائل ہے جو بالکل سچ ہے اسی لیے میں تجھ سے رضامندی کا طلبگار ہوں، تیرے راستے میں ثابت قدمی حق پرستی، قوت یقین اور شک وشبہ کو زائل کرنے کے لیے عقل وشعور کا خواہشمند ہوں، مرنے کی محبت دے تاکہ دنیا سے کوچ کرنا دشوار معلوم نہ ہو، فقیروں کی محبت عنایت کر تاکہ موت سے الفت ہو سکے۔

☆☆☆

نعتِ رسول ﷺ

یہی عاشقی کا قرینہ بہت ہے
مرے دل میں شوقِ مدینہ بہت ہے

مدینے کا بس ایک ذرّہ ہے کافی
ہو پُر نور تو اک نگینہ بہت ہے

رہے ناخدا کو یہ کشتی مبارک
مجھے اپنے دل کا سفینہ بہت ہے

جدھر سے بھی جائیں مدینے میں پہنچیں
ہمیں سمت و رُخ کا قرینہ بہت ہے

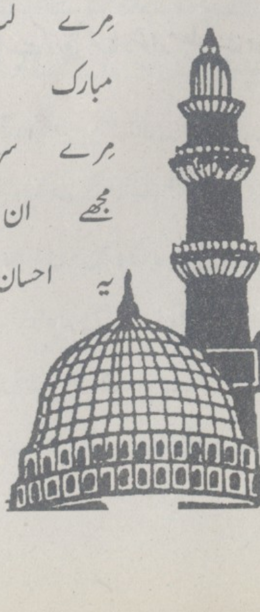
جو مل جائے دستِ مبارک سے مجھ کو
تو بس ایک ہی آبگینہ بہت ہے

نہ کوثر کے قصّے نہ جنّت کی باتیں
مرے لب پہ ذکرِ مدینہ بہت ہے

مبارک رہیں کہکشاں کو ستارے
مرے سر پہ خاکِ مدینہ بہت ہے

مجھے ان کا جلوہ دکھایا ہے تونے
یہ احسان اے چشمِ بینا بہت ہے

صباؔ اکبرآبادی



نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نقشِ سُمِ بُراق ہے، دائرہ کائنات کا
اس کے طواف میں ہے دن یہ ہے چراغ رات کا

بخش دو مدح خواں ہے یہ سرورِ کائنات کا
فیصلہ ہوگا حشر میں ایسے مری نجات کا

اپنا بنا کے اُمّتی، مجھ کو کیا ہے جنّتی
باغِ مراد میں کِھلا ، پھول میری نجات کا

ماہ و نجوم و کہکشاں، اُس کی نگاہِ مہرباں
اُس کی تجلیات نے، بدلا مزاج رات کا

جیت مرا نصیب تھی، کل بھی مرے قریب تھی
کوئی سوال ہی نہیں، آج بھی میری مات کا

لوح پہ جب قلم چلا، کھاتا ہوا قسم چلا
حُکم بجا میں لاؤں گا ،صرف نبی کی ذات کا

جب بھی کیا کرم کیا، جگ میں ہر ایک ذات پر
کوئی جواب ہی نہیں، میرے نبی کی ذات کا

چہرۂ مصطفیٰ ﷺ سے ہے، دن کے دیار میں چمک
زلفِ نبی کا ہے کرم ، رنگ سیاہ رات کا

قبلِ ظہورِ مصطفیٰ ﷺ ، لوحِ مبیں سوال تھی
نیند بدوش تھا قلم، بند تھا منہ دوات کا

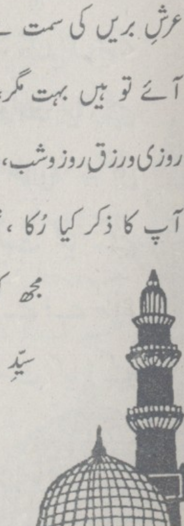
عرشِ بریں کی سمت ہے ، محوِ سفر بحکمِ رب
تیز قدم بُراق پر دُولہا شبِ برات کا

آئے تو ہیں بہت مگر، ایسا نہ آیا ایک بھی
رب کا کلام ہو گواہ جس کی ہر ایک بات کا

روزی ورزق روز وشب، دیتا ہے مجھ کو بے طلب
اُس کو خیال ہے مری، کتنی ضروریات کا

آپ کا ذکر کیا رُکا ، نبضِ حیات رُک گئی
سلسلہ بند ہوگیا، سانس کے التفات کا

مجھ کو یقین تھا خلشؔ ، مجھ کو یقین ہے خلشؔ
سیدِ مُرسلیں سے ہے ، سلسلہ کائنات کا



خلشؔ مظفر

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن مکمل سیرت ہے یہ شانِ رسالت کیا کہیے
فاران کی چوٹی سے چمکا خورشیدِ ہدایت کیا کہیے

رہتی ہے تخیّل میں میرے اک چاند سی صورت کیا کہیے
دل سوئے مدینہ ہوتا ہے ہوتی ہے عبادت کیا کہیے

وہ بھیک عطا کردیتے ہیں سائل کو طلب سے بھی پہلے
اس پاس بلانے والے کی یہ رحمت و شفقت کیا کہیے

ادنیٰ سا اشارہ پاتے ہی جب چاند بھی ٹکڑے ہوتا ہے
اس چاند کی طاعت کیا کہیے اس نور کی طاقت کیا کہیے

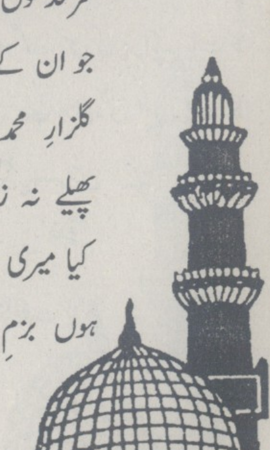
ڈوبا ہوا سورج بھی پلٹا واللہ جو پایا حکمِ نبی
ہے فرش سے تابہ عرش بریں آقا کی حکومت کیا کہیے

سر قدموں پہ خم ہیں شاہوں کے کونین تصرف میں اس کے
جو ان کے گدا کو حاصل ہے وہ شان اور شوکت کیا کہیے

گلزارِ محمد کی ہیں کلی بوبکر و عمر، عثمان و علی
پھیلے نہ زمانے میں کیسے ان کلیوں کی نکہت کیا کہیے

کیا میری زباں کیا میرا قلم سب ان کا کرم ہے اے حافظؔ
ہوں بزمِ سخن میں نغمہ سرا، اللہ رے قسمت کیا کہیے

مفتی احمد میاں حافظؔ البرکاتی



نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

یوں عروج پر ہو یارب! مرے بخت کا ستارہ
کبھی خواب میں وہ کہہ دیں تو غلام ہے ہمارا

دل و جاں بھی میں لٹا دوں تو گمان ہو ریا کا
مرا عشق معتبر ہو، وہ اگر کریں اشارا

مرا سر زمین پر ہو، تو نصیب آسماں پر
کبھی اُن کے نقشِ پا کا میں اگر کروں نظارا

سگِ رہگزر کو دیکھیں جو دیارِ مصطفیٰ میں
تو یہ آرزو ہو دل میں یہ مقام ہو ہمارا

کوئی خالی ہاتھ جائے ترے در سے غیر ممکن
کہ ترے کرم پہ آقا! دو جہاں کا ہے گزارا

مجھے دے گئے ہیں ورثہ جو وِلائے پنجتن کا
وہی میرے مقتدا ہوں، سرِ حشر بھی خدارا

کیا فدا کروں میں اُن پہ، یہ رشید سوچتا ہوں
کہ حبیبِ کبریا کا دو جہان ہیں اُتارا

رشید وارثی

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کوئی بھی کام مسلسل نہیں ہونے پاتا
ذکر سرکار معطل نہیں ہونے پاتا

محفلِ کون و مکاں میں ہے ازل سے جاری
تذکرہ اُن کا مکمل نہیں ہونے پاتا

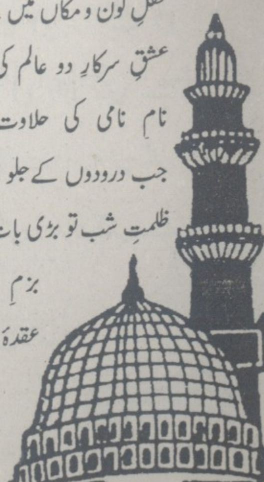
عشقِ سرکارِ دو عالم کی حرارت کے بغیر
آئینہ قلب کا صیقل نہیں ہونے پاتا

نامِ نامی کی حلاوت کہ اسیرِ فرقت
عرصۂ ہجر میں بیکل نہیں ہونے پاتا

جب درودوں کے جلو میں ہو دعا گرم سفر
بابِ ایجاب مقفل نہیں ہونے پاتا

ظلمتِ شب تو بڑی بات ہے طیبہ میں کبھی
سرمئی رات کا آنچل نہیں ہونے پاتا

بزمِ کونین میں سرکار نہ آتے تو رئیس
عقدۂ ذات کبھی حل نہیں ہونے پاتا



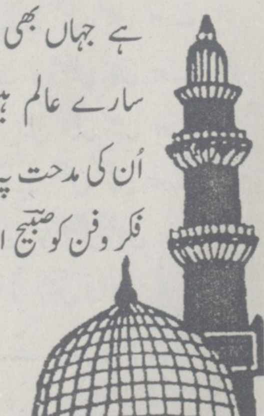
رئیس وارثی

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کب چھڑایا نہیں ہم کو غم سے، کب مصیبت کو ٹالا نہیں
ہے
کب کڑی دھوپ میں مصطفےٰ نے، سایہ کملی کا ڈالا نہیں
ہے
اُن کی رحمت کا کیا ہے ٹھکانا، دیکھ لے سوئے طائف زمانہ
موسمِ سنگ باری میں لب پر، کیا دُعا کا اُجالا نہیں
ہے
لاج رکھی گئی ہر صدا کی، دل نوازی ہوئی ہر گدا کی
ہے سخی اُن کا دربار ایسا، کسی سائل کو ٹالا نہیں
ہے
گونج اُن کی ثنا کی رہی ہے، ہر نبی نے خبر اُن کی دی
ہے
کوئی ایسا صحیفہ نہیں ہے، جس میں اُن کا حوالہ نہیں
ہے
لڑکھڑاتا ہوا جب چلا ہوں، بھیڑ نے راستہ دے دیا
ہے
راہِ ہستی میں اُن کے کرم نے کس جگہ پر سنبھالا نہیں
ہے
ہے جہاں بھی حکومت خدا کی، رحمتیں ہیں وہیں مصطفےٰ کی
سارے عالم ہیں چشمِ کرم میں، کسی جگہ کملی والا نہیں
ہے
اُن کی مدحت پہ مامور ہوں میں، غیر کی مدح سے دور ہوں میں
فکر وفن کو صبیحؔ اپنے میں نے کبھی غزلوں میں ڈھالا نہیں
ہے

صبیحؔ رحمانی

❖❖❖



نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

جو تیری سمت نہ پہنچے اُسے رستہ نہ کہوں
تجھ کو اپنا نہ کہے میں اُسے اپنا نہ کہوں

روشنی ہے شہِ لولاک طریقہ تیرا
ظلمتِ شب میں اِسے کیسے اُجالا نہ کہوں

تیری چاہت ہی کو معیار بنایا رب نے
کیوں ترے عشق کو میں اپنا اثاثہ نہ کہوں

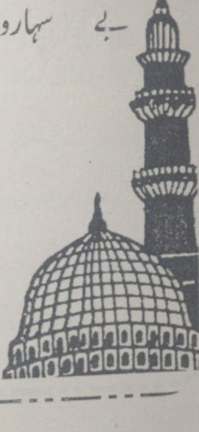
اتنی توفیق بھی ایماں کو مرے کافی ہے
میں برائی کو کسی طور بھی اچھا نہ کہوں

مجھ سے عاصی کا یہ اعزاز کہ میں نعت لکھوں
کیا کہوں گر اسے سرکار کا صدقہ نہ کہوں

جس کا احساس بھی گرنے نہیں دیتا فاروقؔ
بے سہاروں کا اُسے کیسے سہارا نہ کہوں

فاروق احمد مغل

❖❖❖



نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ہے خدا کا حکم جب صورت رسول اللہ ﷺ کی — ہو بہو قرآن ہے سیرت رسول اللہ ﷺ کی

دوست ہی رکھتے نہیں رغبت رسولِ اللہ کی — دشمنوں کے دل میں بھی عزت رسول اللہ ﷺ کی

قومیت اسلام کی ہے دین کی بنیاد پر — ہے ثبوت اس بات کا ہجرت رسول اللہ ﷺ کی

نسل رنگ اور خون کے رشتے لگیں نا معتبر — ہو اگر پیشِ نظر ہجرت رسول اللہ ﷺ کی

ہے مثال ان کی جہاں میں اور نہ کوئی نظیر — ہوگئی حاصل جنھیں صحبت رسول اللہ ﷺ کی

کیا کروں گا۔لے کے میں دونوں جہاں کی نعمتیں — میری جھولی میں ہے جب نعمت رسول اللہ ﷺ کی

دشمنوں کے حق میں بھی کی ہیں دعائیں اس لیے — بد دعا دینا نہیں عادت رسول اللہ ﷺ کی

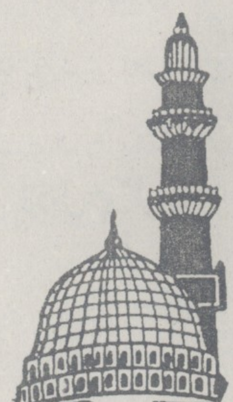
اسوۂ پیغمبرِ اسلام ہے راہِ نجات — فرض ہم پر یوں ہوئی طاعت رسول اللہ ﷺ کی

آسمان و عرش بھی ہیں زیر پا انسان کے — کہہ رہی ہے یہ ہمیں رفعت رسول اللہ ﷺ کی

نورِ حق سے ہوگیا معمور پھر ظلمت کدہ — کیا عظیم الشان ہے بعثت رسول اللہ ﷺ کی

کیوں نہ ہو اعجازؔ پھر بخشش کا ہم کو آسرا
ہیں رسول اللہ ﷺ وہ امت رسول اللہ ﷺ کی

اعجاز الحق اعجازؔ



❖❖❖

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

بحیثیت ترجمان عقائد محققین اہل سنت والجماعت (مع مختصر حالات)

ازقلم حق رقم! حضرت اقدس مقتدائے اہلِ سنت واقف اسرار شریعت وطریقت
الحاج مولانا مفتی محمد میاں ثمر دہلوی نقشبندی مجددی قادری چشتی
زینت مسند سجادہ خانقاہ مسعودیہ مظہریہ مسجد شاہی فتح پوری دہلی

نسب وخاندان:

آپ کے مورث اعلیٰ آغا محمد ترک بخارا کے رہنے والے تھے جو تیرہویں صدی عیسوی میں بزمانۂ سلطان علاء الدین خلجی ہندوستان تشریف لائے۔ سلطان نے بڑی قدر ومنزلت کے ساتھ اعلیٰ عہدے پر فائز کیا۔ ایک مہم میں گجرات جانا ہوااور بعد فتح وہیں مقیم ہوگئے۔ آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے معزالدین سے ناموراَن خاندان کا سلسلہ شروع ہوا۔ معزالدین کے فرزند شیخ موسیٰ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی ان کے کئی بیٹے تھے مگر شیخ فیروز جنھیں فن سپہ گری وشعروسخن میں کمال حاصل تھا۔ سب میں ممتاز تھے۔ ۸۶۰ھ میں بہرائچ کے ایک معرکہ میں شہید ہوئے کچھ ہی عرصے

بعد آپ کے گھر کو قدرت نے اسم با مُسمّٰی فرزند خوش بخت سعد اللہ سے رونق بخشی اپنے اجداد و اسلاف کرام کے فضل و کمال کے امین ہوئے وقت کے ممتاز شیخ طریقت حضرت محمد منگن علیہ الرحمہ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ شیخ کے فیوض روحانیہ سے سرفراز ہوئے حق تعالیٰ نے دو فرزند عطا فرمائے جن میں شیخ سیف الدین اسلاف و بزرگانِ خاندان کے کمالات و امتیازات کے جامع ہوئے اور سب سے بڑی خوش بختی یہ کہ شیخ عبدالحق محدث جیسا یگانۂ روزگار فرزند ذیشان عطا ہوا۔

ولادت اور تعلیم و تربیت:

یہ آپؒ کے والد ماجد کے کمالِ فضل و فن اور قوت و تصرّف روحانی کا اعجاز تھا کہ آپ نے دو تین ماہ میں پورا قرآن کریم پڑھ لیا تھا۔ خود فرماتے ہیں در دو سہ ماہ قرآن ختم کردم۔ اور ایک سال چند دن کی قلیل مدّت میں پورا قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ باقی علوم کی تحصیل میں آپ کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ روزانہ دو بار مدرسہ جاتے نہ تو دولت کدے سے مدرسے تک کی دو میل کی دوری آپ کے شوق کو کم کر سکی اور نہ موسم سرما کی برفیلی اور موسم گرما کی آتشیں ہوائیں آپ کا راستہ روک سکیں۔ شب میں مطالعۂ کتب کا یہ عالم ہوتا کہ جب کبھی آدھی رات، سے بھی زیادہ وقت گزر جاتا تو آپ کے والد ماجد یہ محسوس کر کے کہ آپ ابھی تک پڑھ رہے ہیں آواز دیتے کہ بابا کیا کر رہے ہو تو آپ سنتے ہی لیٹ جاتے تاکہ جھوٹ نہ ہو اور پھر فرماتے جی سو رہا ہوں۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟ جب وہ مطمئن ہو کر سو جاتے تو آپ شوق میں اٹھ کر پھر پڑھنے میں مشغول ہو جاتے حد یہ ہے کہ شب و روز اس طرح آپ کو حصول علم میں ہمہ تن مصروف اور منہمک دیکھ کر والدین متفکّر رہتے تھے اور قدرے آرام کے لیے تاکید فرمایا کرتے تھے مگر آپ پر حصولِ علم کا شوق اس قدر غالب تھا کہ آپ کو سیر و تفریح کی لذت و راحت اور آرام کی فرحت سب کچھ پڑھنے میں ہی حاصل ہوتی تھی۔ بوستان گلستان میزان وغیرہ کافیہ تک ابتدائی کتب عربی و فارسی خود آپ کے والد ماجد نے تعلیم فرمائیں۔ آپ کی وارفتگی شوق کی رہنمائی میں آپ کے علم و دانش کا قافلہ کچھ اس تیزی سے رواں ہوا کہ آپ کی بساط عمر کو طے زمانی کی کرامت سے ہمکنار کر دیا اور آپ نے بارہ برس کی عمر میں

شرح عقائد کے معیار تک کی کتب پڑھ لیں۔ پندرہ سولہ سال کی عمر میں مطول ومختصر جیسی فنی کتب کے خزانۂ علمی سے اپنے دامن دل کو بھر چکے تھے اور اٹھارہ سال کی عمر میں آپ بفضلہٖ تعالیٰ وقت کے متداول علوم وفنون ظاہری سے مکمل طور پر آراستہ ہو چکے تھے۔

جس فرزندار جمند کو علوم ظاہر و باطن میں وقت کے شہ سوار یگانۂ روزگار والد گرامی کی آغوش تربیت نے کم سنی ہی سے تحصیلِ علوم کے ساتھ ساتھ آداب سلوک اور معمولات طریقت کا بھی عادی بنا دیا ہو اور جو ایسے بے مثل علامۂ عصر اور درویش کامل مشفق ومہربان باپ کی تمام دعاؤں اور تمناؤں کا محور بن گیا ہو اس کی ذات یقیناً ان گنی چنی شخصیات کی فہرست میں آجاتی ہے جن کے وجود میں آنے سے صدیوں پہلے سے تاریخ کو ان کا انتظار ہوتا ہے اور ان کے عرصۂ حیات میں زمین وآسمان کی نگاہیں انھیں تکتی رہتی ہیں اور ان کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی ان کی ذات کو ہر دور کے دیدہ ور اور ہر زمانے کے جوہر شناس سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں۔

حضرت شیخ بعد فراغ ۹۹۵ھ میں حج اور حرمین طیبین کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کی غرض سے دہلی سے گجرات تشریف لے گئے معلوم ہوا کہ جہاز سب جا چکے۔ چنانچہ مرزا نظام الدین کے پیہم اصرار پر آئندہ موسم حج تک کے لیے احمد آباد میں قیام فرمایا دورانِ قیام حضرت شیخ وجیہ الدین علوی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے اور بعض اذکار واشغال سلسلۂ قادریہ سے سرفراز ہوئے اور ۹۹۶ھ میں سفرِ حجاز کا شرف حاصل کیا اور مکۂ معظّمہ کے محدثین سے بخاری و مسلم کا درس لیا اس کے بعد شیخ المحدثین حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قدس سرہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر ان کے خصوصی التفات وکرم سے ۹۹۹ھ تک علوم حدیث، تصوف وسلوک مع اشغال واذکار وریاضات سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت عبدالوہاب متقی علیہ الرحمہ کے ہمراہ مناسک حج ادا کرنے اور مقامات مقدسہ میں ان کی صحبت کی نعمتِ بے بہا سے بھی نوازے گئے۔ بالآخر مصمم عزمِ ہجرت کے باوجود محض شیخ موصوف کی تاکید وہدایت اور مسلسل اصرار پر ہندوستان واپس تشریف لائے مدّت العمر علوم ظاہر و باطن سے ایک عالم کو فیضیاب فرمایا اور مختلف علوم میں تحقیقی نگارشات

کے ذریعہ شیخ کے مقام فضل وفن اور تبحر علمی کے تمام فضلائے وقت قائل و معترف ہوئے۔ علمِ حدیث میں خاص طور پر آپ کا پایہ کسی طرح متقدمین سے کم نہیں ہے اور اس میں آپ کی تالیفات آج تک برابر تلقیٰ بالقبول کا شرف رکھتی ہیں اور ہر دور کے اہلِ علم میں نظرِ اعتبار سے دیکھی جاتی ہیں علاوہ دیگر خصوصیات و امتیازات کے ایک سب سے بڑا امتیاز شیخ کی شخصیّت کو جو حاصل ہوا وہ فرقۂ ناجیۂ اہلِ سنت وجماعت کے عقائد کی محققانہ ترجمانی ہے۔

اگرچہ شیخ نے مستقل کتاب، عقائد پر بھی بنام تکمیل الایمان وتقویت الایقان تصنیف فرمائی ہے۔ تاہم دیگر تالیفات میں بھی مختلف اور خصوصاً مختلف فیہ عقائد میں محققانہ گوہر افشانیاں فرمائی ہیں یہاں ہم چنیدہ اور اہم مسائل پر شیخ کی گراں قدر تحقیقات اور اہلِ سنت و جماعت کی ترجمانی کے چند نمونے پیش کرتے ہیں جن سے بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ حریف مکتبِ فکر جنھیں زمانۂ حال اور چودھویں صدی کی بدعات میں شمار کرتا ہے وہ درحقیقت صدیوں بیشتر متقدمین اہلِ علم کے متفقہ ومسلمہ معتقدات میں سے ہیں۔

رویت حق تعالیٰ:

اشعۃ اللمعات جلد۴ میں فرماتے ہیں کہ دنیا میں حق تعالیٰ کا دیدار اگرچہ ممکن ہے مگر واقع نہیں ہے بالاتفاق سوائے حضور سید المرسلین ﷺ کے شبِ معراج میں آپ کے لیے واقع ہوچکا ہے۔

معراج جسمانی:

مدراج النبوۃ (جلد ا) میں فرماتے ہیں کہ وجود اسراء ومعراج ہمہ در بیداری وبجسد بودو جمہور علماء از صحابہ وتابعین واتباع ومن بعد ہم از محدثین وفقہا ومتکلمین بریں اند ومتواتر است بداں احادیثِ صحیحہ واخبار صریحہ۔

وسیلہ واستمداد:

جذب القلوب میں رقم طراز ہیں۔ وتوسل بوئے ﷺ موجب قضائے حاجت وسبب نجاح مرام است نیز فرماتے ہیں وگفت آنحضرت بحق نبیک والانبیاء الدین من قبلی درین حدیث

دلیل است برتوسل در ہر دو حالت نسبت بآنحضرت ﷺ در حالت حیات ونسبت با بیاء علیہم السلام بعداز وفات آگے فرماتے ہیں بلکہ اس حدیث سے اگر اولیاء اللہ کی وفات کے بعد ان سے توسل کے حق میں قیاس کریں تو بعید نہیں ہے جب تک کہ حضرات انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسّلام ہی کے ساتھ توسل خاص ہونے پر دلیل قائم نہ ہو اور ایسی دلیل ہے کہاں؟

سماع وادراک اموات:

کسر عظم المیت لکسرہ حیا۔ حدیث پاک کے تحت شرح مشکوٰۃ میں ابن عبدالبر کا قول نقل فرماتے ہیں وازیں جا مستفادمی گردد کہ میت متالم می گردد بتمام آں کہ متالم می گردد بداں زندہ۔ یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو ان تمام چیزوں سے تکلیف پہنچتی ہے جن سے زندہ کو پہنچتی ہے۔

حیات انبیاء علیہ السلام:

بداں کہ حیات انبیاء صلوٰت اللہ وسلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میان علمائے ملّت وہیچ کس را اختلاف نیست دراں۔ یعنی جان لو کہ حیات حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام متفق علیہ ہے اور کسی شخص کو اس میں اختلاف نہیں ہے۔ آخر میں مزید فرماتے ہیں کہ اس بارے میں احادیث و آثار وارد ہیں۔

حضور ﷺ کا حاضر وناظر ہونا:

جامع البرکات میں فرماتے ہیں "وے علیہ السلام براحوال واعمال امت مطلع است بر مقربان وخاصانِ درگاہ خود مفیض وحاضر وناظر است۔ نیز شرح مشکوٰۃ میں تشہد کے بیان میں فرماتے ہیں پس آنحضرت ﷺ در ذوات مصلیان موجود وحاضر است پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود۔

حضور ﷺ کا اختیار وتصرف:

حضور ﷺ کے خادم خاص حضرت ربیعہ ابن کعب سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق حدیث کے تحت اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں از اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ تخصیص نکرو بمطلوبے

خاص، معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست ﷺ ہر چہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد یعنی آپ نے جو مطلقا فرمایا کہ مانگو اور کسی خاص چیز کی تخصیص ، فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کے معاملات آپ ہی کے دست کریمانہ میں ہیں جس کو جو چاہیں اپنے رب کے حکم سے عطا فرمائیں۔

حضور ﷺ کا علم غیب وما کان ما یکون:

فرمان رسالت ﷺ کی شرح فرماتے ہیں پس دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ درز میں بود عبارت است از حصول تمامہ علوم جزئی وکلی واحاطۂ آں۔

حضور ﷺ کی شفاعت وانکار شفاعت بدعت وضلالت است چنانچہ خوارج وبعض معتزلہ بداں رفتہ اند۔

جشن میلاد شریف:

ابولہب بولادت آنحضرت ﷺ سرور کرد۔ عذاب وے تخفیف کرد روز دوشنبہ عذاب برداشت چنانکہ در حدیث آمدہ است و دریں جا سند است۔ مر اہلِ موالید را کہ در شب میلاد آنحضرت ﷺ سرور کنند وبذل اموال نمایند مدارج النبوۃ جلد ۲ میں فرماتے ہیں کہ ابولہب نے حضور ﷺ کی پیدائش پر خوشی منائی جس سے اس کے عذاب میں کمی ہوئی پیر کے دن عذاب اُٹھ گیا جیسا کہ حدیث میں آیا اور اس میں مولود شریف والوں کے لیے سند ہے کہ وہ آپ کی میلاد (پیدائش) کی شب میں خوشی مناتے اور مال خرچ کرتے ہیں۔

عرس بزرگان:

ماثبت بالسنۃ میں فرماتے ہیں انما ھو من محسنات المتأخرین یعنی علمائے متاخرین کے اچھے گردانے ہوئے اعمال میں سے ہے۔

لعنت بر یزید اور عقیدۂ حضرت شیخ محدث دہلوی علیہ الرحمہ

ماخوذ از ''تکمیل الایمان'' حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ

ترجمہ: حضرت پیرزادہ علاّمہ اقبال احمد فاروقی مدّظلّہ:

بعض علمائے اہلِ سنت تو یزید کے معاملہ میں بھی توقف سے کام لیتے ہیں۔ مگر بعض غلو و افراط کی وجہ سے اس کی شان و منزلت بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ چونکہ وہ مسلمانوں کی اکثریت کی بناء پر امیر مقرر ہوا تھا، امام حسین رضی اللہ عنہ پر ضروری تھا کہ ان کی اطاعت کرتے۔ نعوذ باللہ من ھذا القول و من ھذا الاعتقاد۔

یزید امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہوتے ہوئے امیر ہو کیسے سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کو اجماع اس پر کس طرح واجب آتا ہے، جب کہ اس وقت کے صحابہ کرام اور صحابہ کی اولاد جو بھی موجود تھی اس کی اطاعت سے بیزاری کا اعلان کر چکے تھے۔ مدینہ منور سے چند لوگ اس کے پاس شام میں جبر و اکراہ سے پہنچائے گئے تھے۔ مگر یزید کے ناپسندیدہ اعمال کو دیکھ کر واپس مدینہ چلے آئے۔ اور عارضی بیعت کو فسخ کر دیا اور ان لوگوں نے برملا کہا کہ وہ خدا کا دشمن ہے، شراب نوش

ہے، تارک الصلوٰۃ ہے، زانی ہے، فاسق ہے، محارم سے صحبت کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔

ایک طبقہ ایسا بھی ہے، جس کی رائے ہے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ اور نہ ہی وہ شہادت حسین پر رضامند تھا۔ حضرت حسین اور اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شہادت سے وہ کبھی بھی مسرور و مطمئن نہیں ہوا۔ ہمارے نزدیک یہ رائے مردود اور باطل ہے۔ کیوں کہ یزید کی اہل بیت سے عداوت اور اہلِ بیت کی اہانت و ذلت کے واقعات تواتر کے ساتھ اس سے سرزد ہوتے رہے، ان تمام واقعات سے انکار کرنا ازراہ تکلّف ہے۔

ایک طبقے کی رائے یہ ہے کہ قتل حسین دراصل گناہ کبیرہ ہے۔ کیوں کہ ناحق مومن کا قتل کرنا گناہ کبیرہ میں آتا ہے۔ کفر میں نہیں آتا، مگر لعنت تو کافروں کے لیے مخصوص ہے۔ ایسی رائے کا اظہار کرنے والوں پر افسوس ہے۔ وہ نبی علیہ السلام کے کلام سے بھی بے خبر ہیں۔ کیوں کہ حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد سے بغض و عداوت اور انھیں تکلیف و توہین کرنا باعث ایذا و عداوت نبی ﷺ ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں یہ حضرات یزید کے متعلق کیا فیصلہ کریں گے، کیا اہانت رسول اور عداوت رسول اللہ کفر و لعنت کا سبب نہیں ہے۔ اور یہ بات جہنم کی آگ میں پہنچانے کے لیے کافی نہیں۔ آیہ کریمہ ملاحظہ ہو:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝

ترجمہ: وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچاتے وہ یقیناً دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق ہیں اور خدا نے ان کے لیے دردناک عذاب مقرر کیا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ یزید کے خاتمہ کے متعلق کوئی علم نہیں ہوسکا ہے کہ ارتکاب کفر و معصیت کے بعد اس نے توبہ کرلی ہو اور آخرکار تائب ہوگیا ہو۔ حضرت امام غزالی نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔ علمائے سلف اور مشاہیر امّت میں سے بعض نے جن میں امام احمد بن حنبل جیسے بزرگ شامل ہیں۔ یزید پر لعنت کی ہے۔ ابن جوزی جو شریعت اور حفظ سنّت میں بڑے متشدد تھے۔ اپنی کتاب میں لعنت بر یزید کو تو علمائے سلف سے نقل کیا ہے۔

بعض علمائے کرام نے لعنت کرنے کی ممانعت کی ہے اور بعض توقف کرتے ہیں۔

ہماری رائے میں یزید مبغوض ترین انسان تھا۔ اس بد بخت نے جو کارہائے سرانجام دیے ہیں۔ اُمتِ رسول ﷺ میں سے کسی سے نہیں ہو سکے۔ شہادت حسین اور اہانت اہلِ بیت سے فارغ ہو کر اس بد بخت نے مدینہ منور پر لشکر کشی کی۔ اور اس مقدس شہر کی بے حرمتی کے بعد اہلِ مدینہ کے خون سے ہاتھ رنگے۔ اور باقی ماندہ صحابہ رسول اور تابعین اس کی تیغ ستم کی نذر ہو گئے۔ مدینہ منورہ کی تخریب کے بعد اس نے مکہ معظمہ کی تباہی کا حکم دیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذمہ دار ٹھہرا۔ اور انھی حالات میں وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور اس کی توبہ اور رجوع کا مزید حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اور دوسرے اہلِ ایمان کے دلوں کو یزید کی محبت والفت۔ اس کے مددگاروں اور معاونین کی موانست اور ان تمام لوگوں کی دوستی جو اہل بیت نبوی کے بدخواہ رہے ہیں اور ان کے حقوق کو پائمال کرتے آئے ہیں اور ان سے محبت و صدق عقیدت سے محروم رہے ہیں، سے محفوظ، مامون رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے احباب کو اہلِ بیت اور ان کے نیک خواہوں کے زمرے میں رکھے۔ اور دنیا و آخرت میں اہلِ بیت کے مشرب و مسلک پر رکھے۔ بِحُرمَةِ النَّبِیُّ وَالِهِ الْاَمُجَادِ وَبِمنّهٖ وَکَرَمِهٖ وَهُوَ قَرِیْبُ مُجِیبُ ۝

تاریخِ ولادتِ رسالت مآب ﷺ
اور
تحقیقِ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ

تحقیق وتصنیف: عارف باللہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اُردو ترجمہ وحواشی: مولانا اقبال الدین احمد صاحب

پیش کش: مشتاق احمد قادری

[''ماثبت بالسنہ فی ایام السنہ'' (عربی) سے رسالت مآب ﷺ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی تحقیقِ انیق کا ایک اقتباس نذرِقارئین کیا جاتا ہے۔ اُردو ترجمہ ''مومن کے ماہ و سال'' کے عنوان سے دارالاشاعت کراچی سے متعدد بار چھپ چکا ہے۔ جناب مترجم کے شکریے کے ساتھ یہ تحریر نذرِقارئین کی جاتی ہے۔]

رسالتمآب ﷺ کے سالِ ولادت میں لوگوں کا اختلاف ہے اکثر اسی پر متفق ہیں کہ عام الفیل (ا) آپ ﷺ کا سنہ ولادت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا بھی یہی قول ہے۔ بعض

(☆ا) عامۃ الفیل وہ سال ہے جس میں ابرہا حرم مکہ پر ہاتھیوں کے ذریعہ حملہ آور ہوا تھا تاکہ مکہ کو ڈھادے یہ واقعہ ۵۷۰ء کا ہے ۱۲۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس کے خلاف جو قول ہے وہ ظن وتخمین اور وہم ہے۔

سہیلی اور ان کی جماعت کا بیان ہے کہ واقعہ الفیل کے پچاس دن بعد آپ ﷺ کی ولادت ہوئی اور یہی مشہور ہے، لیکن میاطی نے اپنی آخریں میں تحریر کیا ہے کہ واقعہ الفیل کے پچپن دن بعد آپ ﷺ کی ولادت ہوئی۔

اسی طرح آپ ﷺ کی ولادت کے مہینہ میں بھی لوگ باہم مختلف ہیں۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ ماہ ربیع الاوّل میں آپ ﷺ جلوہ افروز ہوئے۔ اور ابن جوزی نے بھی اسی کو متفق علیہ قرار دیا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کی ولادت کے دن میں لوگ مختلف الخیال ہیں بعض کہتے ہیں کہ کوئی دن تاریخ متعین نہیں ہوسکتی البتہ یہ ضرور ہے کہ ماہ ربیع الاوّل میں کسی پیر کے دن آپ ﷺ رونق افروز ہوئے۔ اس کے برعکس جمہور علماء کا مذہب وایقان ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت کا دن مقررہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ربیع الاوّل کی دوسری تاریخ تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ آٹھ تھی اور ربیع الاوّل کی آٹھویں تاریخ ولادت ہی کو شیخ قطب الدین قسطلانی نے صحیح قرار دیا ہے اور اکثر محدثین کا یہی قول مختار ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وجبیر بن مطعمہ مطعم کے نزدیک بھی یہی قول صحیح ودرست ہے کیونکہ یہ حضرات واقف حالات ہیں۔ اور یہی مذہب حمیدی اور ان کے استاذ شیخ ابن حزم کا ہے۔

فضاعی نے عیون المعارف میں لکھا ہے کہ تمام سیرت نگاروں کے نزدیک آٹھویں تاریخ ولادت رسالت مآب ﷺ ہے اور زہری نے محمد بن جبیر کی زبانی بھی اسی کی تائید کی ہے۔ واضح رہے کہ محمد بن جبیر وہ شخص ہیں جو نسب ناموں اور حالات ایام عرب کے زیادہ جاننے والے ہیں۔

اور بعض کہتے ہیں کہ دسویں ربیع الاوّل کو آپ ﷺ کی ولادت ہوئی۔

بارہویں ربیع الاوّل:

بارہویں ربیع الاوّل تاریخ ولادت رسالت مآب ﷺ مشہور ہے۔ اور اہلِ مکہ کا عمل یہی

ہے کہ وہ اس تاریخ کو مقام ولادت رسالت مآب ﷺ کی اب تک زیارت کرتے ہیں (☆۱)

طیبی کا بیان ہے ''تمام مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ رسالت مآب ﷺ ۱۲ ربیع الاوّل کو اس دنیا میں رونق افروز ہوئے''۔

میں (عبدالحق) کہتا ہوں کہ طیبی کے امر اتفاق پر ہمیں بھی مندرجہ بالا بیانات کی موجودگی میں کلام نہیں۔ نیز اس امر پر بھی سب متفق نہیں کہ آپ ﷺ کس وقت پیدا ہوئے۔ البتہ مشہور یہی ہے کہ پیر کے دن صبح آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی ہے۔

قتادہ انصاری کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو ارشاد عالی ہوا یہ وہ دن ہے جس دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ کو نبوت عطا فرمائی گئی۔ (مسلم)

اس ارشاد سے واضح ہے کہ آپ کی ولادت دن کے وقت ہوئی۔

مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ تحریر ہے کہ رسول اللہ ﷺ پیر کے دن پیدا ہوئے۔ اور پیر ہی کے دن مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ پیر کے دن ہی حجر اسود اُٹھا کر نصب فرمایا۔ نیز فتح مکہ اور سورۂ مائدہ کا نزول بھی پیر کے دن ہی ہوا ہے۔

(☆۱) یہ تحریر ۱۰۵۲ھ سے پہلے کی ہے کیونکہ شیخ نے ۱۰۵۲ھ میں انتقال کیا ہے اور اب تو حالات ہی کچھ اور ہو گئے ہیں۔
از مترجم ۱۲۔

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

آپ ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور اٹھارہ برس کی عمر میں علومِ عقلی و نقلی کی ہر طرح تکمیل کر لی اور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ ۹۹۶ھ میں حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے اور احمد آباد کے راستے سے بحری سفر طے کر کے اسی سال رمضان المبارک سے بہت پہلے مکّہ معظمہ پہنچ گئے۔ وہاں دس ماہ تک بعض محدّثین سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درس لیا۔ پھر شیخ علی متقی رحمۃ اللہ تعالیٰ (م ۹۷۵ھ) کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب متّقی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ذکر کی تلقین اور اجازت حاصل کی۔ دوسرے سال مدینہ طیبہ میں حاضری دی اور قریب ایک سال کے قیام کے بعد مکّہ معظمہ واپس ہوئے۔ ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان آ کر پھر درس و تدریس میں مصروف ہوئے اور مختلف بلند پایہ کتابیں مرتّب کیں جن کی تعداد ساٹھ تک پہنچتی ہے۔

آپ کے مکتوبات جو ۱۳۳۲ھ میں دہلی کے مطبع مجتبائی سے شائع شدہ اخبار الاخیار کے حاشیے پر بھی تھے اُن کا اُردو ترجمہ کراچی سے شائع ہو گیا ہے۔ اس میں ۶۸ مکتوبات ہیں اور شروع کے سات مکتوبات حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہیں۔ وہ زیادہ تر تصوف اور اس کے

متعلقات پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے پانچویں مکتوب میں احمد بن ابراہیم واسطی حضرمی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے عربی رسالہ ''فقرِ محمدی'' کا ترجمہ (ملخصاً) ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ توسّل وتوجہ اور استمداد و ارادت صرف بارگاہِ نبوّت سے ہونا چاہیے اور بدعت کے طریقوں سے بچنا چاہیے۔ چھٹے مکتوب میں مسئلہ سماع پر مفصّل بحث ہے اور ساتویں مکتوب میں استقامت علی الاوراد کے محاسن ہیں۔ یہ سب مکتوبات انھوں نے اپنے شیخ خواجہ باقی باللہ قدس سرّہ کے ملاحظہ ومطالعہ کے لیے لکھے تھے جن سے وہ حرمین شریفین سے واپسی کے بعد بیعت ہوئے تھے۔

ایک مکتوب فیضی (م ۱۰۰۴ھ) کے نام ہے جس میں اہلِ دنیا اور اہلِ عقبیٰ کا فرق سمجھایا ہے لیکن وہ محرومین میں سے تھا اور اُس کے متعلق شیخ محدّث رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ جملہ اُس کے سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ ''۰۰۰ زبانِ اہلِ دین وملّتِ جنابِ نبوّت را از بُردنِ نامِ وے ونامِ جماعتِ شومِ وے باک است۔ تاب اللہ علیہم ان کانوا مؤمنین'' (۱)

نواب فرید بخاری (مرتضیٰ خان۔ المتوفی ۱۰۲۵ھ) کے نام کئی مکتوبات ہیں۔ ایک مکتوب نمبر ۱۷ میں اکبر بادشاہ کی وفات (۱۰۱۴ھ) پر بالواسطہ تعزیت ہے اور اشارۃً فرعون کا قصہ چھیڑا ہے کہ اسے ملک وسلطنت، نیز دنیا اور اس کے اسباب کا غرور اور مستی تھی اس لیے وہ باوجود عقلمند ہونے کے بے وقوفوں کی طرح کام کرتا تھا۔ ایک شیر کا قصہ بھی دنیا سے نفرت پیدا کرنے کے لیے لکھا ہے۔

نواب فرید کو مکتوب نمبر ۲۸ میں اور عبدالرحیم خانِ خانان (م ۱۰۳۶ھ) کو مکتوب نمبر ۲۲ میں لکھا ہے کہ آج کل مرشدِ کامل کا ملنا دشوار ہے اور اسی مکتوب نمبر ۲۲ میں ایک خاص بات یہ بھی لکھی ہے کہ ''شریعتِ محمدیہ کے بھی ادوار ہیں مثل ادوار فلکیہ کے، اور ہر دور کے سَو سال کے بعد اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے اس امت پر ایسے شخص کو جو دینِ محمد (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی تجدید کرے اور اُس کو

(۱) پروفیسر خلیق احمد نظامی: ''حیاتِ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی'' (دہلی ۱۹۵۳ء) صفحہ ۲۴۳۔ اس سے پہلے کے سنین بھی اسی کتاب سے لیے گئے ہیں۔ اسی زمانے کے ایک مکتوب الیہ عبداللہ نیازی (م ۱۰۰۰ھ) تھے جو مہدوی ہونے کی وجہ سے سلیم شاہ سوری کے حکم سے پٹوائے گئے۔ ۹۵۵ھ میں وہ ہندوستان سے بھاگ گئے تھے۔ کئی سال کے بعد واپس آئے اور سرہند میں آخر وقت تک قیام کیا۔

قدرت دیتا ہے کہ وہ دین کو تقویت پہنچائے اور اس دین کی ترویج کرے۔ فرماتے ہیں کہ "درین زمان کہ مائۃ حادی عشر است نورے جدید از مشرقِ ولایت وہدایت می تابد۔ بے شک درین جاسرّ ے از اسرارِ الٰہی مُضمر است وانکار را آن جامجال تنگ است..." گویا شیخ محدّث رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی ایک مجدّد کے آنے کی خوشخبری سُنا رہے ہیں اور مکتوب الیہ کو تسلّی دے رہے ہیں۔ بالکل یہی بات شیخ محدّث رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "مرج البحرین" میں فرمائی ہے کہ "نا امید نباید بود کہ حقیقتِ محمدی ﷺ را ادوار است مثلِ دوراتِ فلکی، تاوضع ہر دورہ نسبت بکہ نشیند ونظرِ کوبے از کواکبِ صفات وکمالاتش برکہ افتد وبر روے کہ تابد، تانورِ کمال از ناصیۂ حالش ظہور یابد ومعنیِ عزتِ اسلام در جوہرِ ذاتش پیدا گردد۔ غالباً تمامیِ این دورہ برسرِ صد سال بود کہ یُبعَثُ لِھٰذِہِ الاُمَّۃِ علیٰ رأسِ کُلِّ مِائَۃِ سِنَۃٍ مَن یُّجَدِد اَمُرَ دِینِھَا. اکنوں این مائۃ حادی عشر است تاسکۂ این دولت بنامِ کیست، مردے باید کہ اعجازِ حقیقت بردست وے باشد، تانفوسِ عامۂ اہلِ این روزگار را کہ حقیقت را لہو ولعب خیال کردہ اند وہزل را باجد آمیختہ، بقہرِ اعجاز وقوّتِ تصرّف چناں درہم کشد کہ مجالِ نفس برایشاں تنگ آید(۱)۔ گویا حضرت مجدّد رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرح شیخ محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی ایک مجدّد کی آمد کا ذکر کر رہے ہیں۔ مرج البحرین میں اثباتِ نبوۃ پر لکھنے کا بھی ذکر ہے کہ "ایں سخن (کہ نبوتِ دیگر است و سلطنت دیگر) در رسالۂ دیگر کہ در باب اثباتِ نبوہ نوشتہ شود بگویم کہ اثباتِ نبوہ چہ باشد وکیست کہ نبوت را ثابت گرداند ونبوت ہمہ را ثابت گرداند..." (۲)

مکتوب نمبر ۵۰ شاہ ابو المعالی لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ (م۱۰۲۴ھ) کے نام ہے۔ شیخ محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ ان کا بہت ادب کیا کرتے تھے۔ اس مکتوب میں شیخ عبد الوہاب متقیؒ کی عنایت کردہ کتاب (رسالہ) کا ترجمہ بھی ہے اور ایک بات حضرت خواجہ باقی باللہ کی روایت میں بھی ہے کہ "ایک بار خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ اور مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ دونوں خراسان

(۱) مرج البحرین (مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء)۔ صفحہ ۴۷

(۲) ایضاً، صفحہ ۲۵۔ غالباً شیخ محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ رسالہ اثباتِ نبوہ، علیحدہ موجود نہیں بلکہ مدارج النبوۃ میں شامل ہوگا۔ حضرت مجدّد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ اسی نام سے عربی میں ہے جو اکبری عہد کے فتنۂ انکارِ نبوّت کے رَد میں ہے۔

کے ایک بزرگ شیخ بہاء الدین عمر کی خدمت میں گئے اور عرض کیا کہ ذکر کے اندر حبسِ نفس جو بزرگوں سے منقول ہے وہ سنّت سے ثابت نہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ کیا تم خواجہ بہاء الدین نقشبند کے منکر ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں، ہم تو صرف دریافت کرر ہے تھے (ترجمہ)''۔ اس واقعے سے ظاہر ہے کہ حبسِ نفس خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی کرتے تھے۔

مکتوب نمبر ۶۲ میں بھی شیخ عبدالوہاب متّقی رحمہٗ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے کہ وہ لوگوں پر وعظ و نصیحت کرنے کو بھی قربِ الٰہی کا وسیلہ فرمایا کرتے تھے۔ اور خاکساری، عاجزی، تواضع اور خود کو تباہ و برباد کردینے کو درویشی قرار دیتے تھے۔ شیخ محدّث رحمہٗ اللہ تعالیٰ کے دوسرے مکتوبات بھی درویشی سے متعلق ہیں جیسا کہ انھوں نے مکتوبات کے مقدّمے میں بھی فرمایا ہے۔

جہانگیر کان کا کچّا تھا۔ آخر زمانے میں وہ شیخ محدّث رحمہٗ اللہ تعالیٰ اور خواجہ حسام الدین احمد رحمہٗ اللہ تعالیٰ سے بھی ناراض ہوگیا تھا اور دونوں کو کشمیر میں طلب کیا تھا۔ لیکن طالب، ہی دوسری دنیا میں مطلوب ہوا اور وہ عتاب معلّق ہوگیا (۱)۔

محترم پروفیسر خلیق احمد نظامی نے شیخ محدّث رحمہٗ اللہ تعالیٰ کے مزاج اور مذاق کے متعلق بہت صحیح اور مختصر بات اس طرح فرمائی ہے کہ ''حضرت شیخ سرّ وکتمان کے قائل تھے اور پردے پردے میں بات کرتے تھے'' (۲)۔

یہاں بے محل نہ ہوگا کہ اگر ہم حضرت مجدّد رحمہٗ اللہ تعالیٰ اور شیخ عبدالحق رحمہٗ اللہ تعالیٰ کے برادرانہ تعلقات کا مختصر تذکرہ کردیں۔ وہ دونوں پیر بھائی تھے اور ایسے بلند مرتبہ تھے کہ اُن کے شیخ نے اُن سے متعلق فخر ومباحات کا اظہار کیا ہے۔ دونوں بہت بڑے عالم تھے اور دونوں حضور ﷺ کی کامل پیروی میں شہرت رکھتے تھے۔ پُر خلوص ومحبت کا یہ عالم تھا کہ شیخ محدث رحمہٗ اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدّد کو اپنا بھائی سمجھ کر ایک دوست شیخ اسمٰعیل کی سفارش کرنے کے لیے لکھا کہ وہ عبدالرحیم خان خانان کے بیٹے مرزا داراب خان (م ۱۰۳۴ھ) کو لکھ دیں اور جیسا کہ مکتوب ۱/۱۱۵ سے ظاہر

(۱) سکینۃ الاولیاء بحوالۂ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ صفحہ ۱۴۸۔
(۲) پروفیسر موصوف۔ ۳۷۸۔

ہے شیخ محدّث رحمہٗ اللہ تعالیٰ کے استفسار پر حضرت مجددؒ نے بعض روحانی منازل کی تفصیل بتائی ہے۔ اور مکتوب ۲/۲۹ سے ظاہر ہے کہ حضرت مجدد رحمہٗ اللہ تعالیٰ نے اپنی قید کے مصائب کو اللہ تعالیٰ کا خاص انعام قرار دیا ہے اور مکتوب کے آخر میں شیخ محدّث کو لکھا ہے کہ:

''وجود شریفِ ایشاں دریں غربتِ اسلام، اہلِ اسلام را مغتنم است۔ سلّمکم اللہ سبحانہ، وابقاکم۔ والسلام''۔ ان کلمات سے بھی اشارہ ہے کہ میں قید میں ہوں تو آپ اب غربتِ اسلام کا مداوا کریں۔ اس سے پہلے مکتوب ۱/۲۹ میں حضرت مجدد رحمہٗ اللہ تعالیٰ نے بڑی (۱) محبت سے حضرت شیخ عبدالحق رحمہٗ اللہ تعالیٰ سے ایک روایت کو نقل کیا ہے کہ ''فضیلت پناہی شیخ عبدالحق کہ از مخلصانِ خواجۂ ماست نقل کردند کہ حضرت خواجہ قُبیلِ ایامِ رحلت می فرمودند کہ مارا بہ یقینِ یقین معلوم شدہ است کہ توحید، کوچۂ تنگ است، شاہ راہ دیگر است۔ ہر چند پیش ازیں ہم می دانستیم امّا این قسم یقیں اکنوں بظہور آمدہ است (۲)''۔ یہ دونوں بزرگ ہمارے سرتاج ہیں۔

---

(۱) حضرت شیخ محدّث کو حضرت مجدد رحمہٗ اللہ تعالیٰ سے جو محبت اور عقیدت تھی اس کا ایک واقعہ حضرات القدس۔ جلد دوم (حضرت نہم۔ کرامت ۱۱) میں بھی ملتا ہے۔

(۲) یہی بات تعلیقاتِ شرح رباعیات کے آخری صفحے میں بھی ہے۔

ایم۔ نثار احمد شمس الحسینی۔ دہلی

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اور آپ کی قرآنی دعوت

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ والرضوان ہندوستان کے وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے علم حدیث کا باضابطہ درس شروع کیا اور کہا جاتا ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، مدینہ منورہ میں ایک شب آرام فرما رہے تھے کہ خواب میں سید الانبیاء والأتقیاء شفیع المذنبین، انیس الغریبین، راحت المشتاقین، رحمۃ للعالمین جناب محمد الرسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے خواب میں حضرت شیخ نے بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کیا وہیں یہ بھی دیکھا کہ حضور ختم المرسلین ﷺ نے حکم دیا یا بنی اذھب الی الھند کہ اے میرے بیٹے ہندوستان جاؤ اور ہندوستان جا کر دین متین کی اشاعت کرو۔ چنانچہ حضرت شیخ نے ہندوستان کے لیے رخت سفر باندھا دہلی تشریف لائے اور اپنے اس کا م میں منہمک ہو گئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔ یوں تو آپ کی تصنیفات و تالیفات بہت زیادہ ہیں اور آپ نے ہر موضوع یعنی قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، تجوید، عقائد، تصوّف، اخلاق، اعمال و اوراد، فلسفہ اور منطق، تاریخ، سیر و تذکرہ، علم نحو، ذاتی

حالات، خطبات، مکاتیب، وصیت، تصانیف و تالیف کا بیش بہا خزانہ قلمبند اشعار پہ کیا ہے اور آپ کا خاص موضوع احادیث نبویہ تھا جس پر آپ نے بہت سی بیش قیمت اور ضخیم تصنیفات فرمائی ہیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا یہ آپ کی علم حدیث سے شغف اور تعلق کی اعلیٰ مثال ہے۔

یقیناً احادیث رسول اللہ ﷺ پر جو خدمات جلیلہ آپ نے انجام دی ہیں وہ اسلامی تاریخ کا طالب علم کبھی بھی فراموش نہیں کرسکتا۔ حضرت شیخ نے دین حنیف کے تعلق سے جو کچھ فرمایا ہے وہ بلاشبہ حق ہے مستند ہے معتبر ہے اور یہی وجہ ہے کہ پورے عالم اسلام میں آپ کو عقیدت واحترام کی نظر سے دیکھا اور یاد کیا جاتا ہے اور آپ کی تصانیف کو قبول عام حاصل ہے۔

لیکن ہمیں یہاں حضرت شیخ کی قرآنی بصیرت کو اُجاگر کرنا ہے جس کا تذکرہ عنوان میں کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ کی قرآنی بصیرت اور قرآن فہمی کے موضوع پہ بھی انتہائی قیمتی تصنیفات کا سرمایہ ملتا ہے جس کی طرف عام طور سے اہلِ علم ودانش کی نگاہیں نہیں گئی ہیں۔ قرآنی تعلیمات کے تعلق سے حضرت شیخ خود ہی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے حروف تہجی کی رعایت کیے بغیر پڑھنا سیکھ لیا تھا اور چند مہینے میں از اوّل تا اخیر قرآن ناظرہ تجوید کی رعایت کے ساتھ پڑھنا سیکھ لیا تھا اور پھر ایک سال کچھ مہینے میں حفظ قرآن بھی بتوفیق رب ایزدی وبطفیل نبی آخر الزماں محسن انسانیت ••• جناب محمد رسول اللہ ﷺ مکمل کرلیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ کا قرآنی الفاظ ومعانی وتفسیر کے ساتھ جو گہرا تعلق تھا وہ کسی اور موضوع سے اتنا تعلق نہیں تھا۔ حضرت شیخ کے شب و روز صبح ومساء کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح صاف تر نظر آئے گی کہ آپ کی تلاوت کا یہ حال تھا کہ آپ شب بیدار ہو کر قرآن حکیم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور غور وفکر کے ساتھ تلاوت قرآن کریم کبھی دو روز میں اور کبھی تین روز میں مکمل کرلیا کرتے تھے۔

عوام الناس میں قرآن فہمی کی دعوت کے سلسلے میں آپ کا عقیدۂ راسخ یہ تھا کہ فلسفیانہ انداز میں قرآنِ کریم کے اسرار و معارف کو بیان کرنے سے احتراز کیا جائے بلکہ سیدھے سادھے طریقے سے قرآنی لطافت و رموز واحکام کو پیش کیا جائے تاکہ عوام الناس اس سے

مستفیض ہوں۔

قرآن حکیم کی تفسیر کے تعلق سے حضرت شیخ کی تین تصانیف ملتی ہیں۔(۱)تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی (۲) شرح صدور تفسیر آیت النور(۳) تحصیل الغنائم والبرکات بہ تفسیر سورۃ والعادیات۔

تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی تفسیر بیضاوی کے کچھ حصے پر حاشیہ ہے۔خلیق احمد نظامی تعلیق الحادی علی تفسیر البیضاوی کے متعلق تحریر فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ حضرت شیخ کا مقصد اس حاشیہ سے یہی تھا کہ تفسیر بیضاوی کے مؤثر و معتبر اجزاء کو اُبھار دیا جائے اور دوراز کار مشکل مباحث کو علاحدہ کردیا جائے۔تاکہ اس کی افادیت بڑھ جائے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ کو کتنی فکر تھی کہ لوگ قرآن حکیم کے متشابہ و مشکل مباحث میں اُلجھ کر نہ رہ جائیں بلکہ آسان الفاظ کے ساتھ قرآنی لطافت کو منظر عام پر لایا جائے تاکہ عمل کرنے میں دشواری لاحق نہ ہو۔اور آپ کی دوسری تصنیف شرح صدور تفسیر آیت النور، آیت نور السمٰوات والارض کی تفسیر تھی حضرت شیخ نے علمی انداز میں نور السمٰوات والارض کی تحقیق فرمائی ہے اور آپ کی تیسری تصنیف تحصیل الغنائم والبرکات بتفسیر سورۃ والعادیات ہے جو سورۃ والعادیات کے فضائل و برکات میں ہے۔اس کے علاوہ اور بھی کتابوں کا حوالہ تفسیر کے تعلق سے ملتی ہیں جو حضرت شیخ کی طرف منسوب ہیں لیکن وہ سب نایاب ہیں۔

ایسے ہی حضرت شیخ نے ورتل القرآن ترتیلا اور من لم یجود القرآن اثم کے تحت کلام اللہ شریف کو تجوید و ترتیل کے ساتھ تلاوت کرنے کی تاکید فرمائی اور اس سلسلے میں علم تجوید پر ایک بیش قیمت کتاب تحریر کی۔حضرت شیخ نے اپنے زمانے کے معروف مشہور شیخ عبدالوہاب متقی سے علم قرأت سیکھا تھا شیخ عبدالوہاب متقی علم قرأت کے ماہر استاد تھے۔انھوں نے حضرت شیخ میں بھی اس فن سے ایسی دلچسپی پیدا کردی کہ حضرت شیخ نے ایک کتاب درۃ الفرید فی قواعد التجوید تصنیف فرمائی۔اس موضوع پہ حضرت شیخ کی اور بھی دیگر کتابوں کا پتا چلا ہے لیکن اب وہ نایاب ہیں۔ ہمارے کچھ احباب حضرت شیخ کی ان کتابوں کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں جو نایاب ہیں دعا ہے ک

اللہ انھیں کامیابی سے ہمکنار کرے۔

یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ جیسے کم علم اور ناچیز میں یہ جرأت نہ تھی کہ علم وفضل میں ممتاز محقق دوراں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی بلند پایہ شخصیت پر کچھ تحریر کرے جو کچھ بھی تحریر کیا ہے یہ سب فضل خداوندی وعنایت جوامع الکلم اور عقیدت حضرت شیخ ہے۔

آیئے ہم سب مل کر اس بات کا عہد کریں کہ ہم خدا اور اس کے رسول مختار ﷺ کے احکام وارشادات پر پوری طرح کاربند رہیں گے اور اولیاء کرام وصلحائے عظام و مصلمین امت کی تعلیمات پر مکمل طور سے اپنی زندگی گذارنے کی کوشش کریں گے اور خدائے وحدہٗ لاشریک سے توفیق مانگیں کہ ہم صالح زندگی گذارنے کے قابل ہوسکیں اور دنیا وآخرت میں سرخ رو ہو کر نکلیں اور فیضانِ ربانی اور شفاعت محمدی ﷺ کے مستحق قرار دیئے جاسکیں۔ آمین ثم آمین۔

(بشکریہ مجلہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی، دہلی)



حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

"جو شخص صبح وشام **سبحان اللہ و بحمدہ** سو مرتبہ پڑھے، قیامت والے دن اس سے افضل کوئی شخص نہیں آئے گا، مگر وہ شخص جس نے اس کی مثل یا اس سے زیادہ یہ کلمات کہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء)

برائے ایصال ثواب :- محمد حامد مرحوم و محمد زین الحق مرحوم

پروفیسر خلیق احمد نظامی

فیضی کے خطوط
شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کے نام

[حضرت شیخ محقق علیہ الرحمہ کے نام فیضی کے جملہ خطوط پہلی بار پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب ''حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی'' کے ضمیمے میں پیش کیے تھے۔ ان خطوط کی تاریخی اہمیت سے اہلِ نظر بخوبی آگاہ ہیں جن سے حضرت شیخ محدث کی قدر و منزلت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ ہمیں اپنی کم علمی کا اعتراف ہے اسی لیے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اب تک ان تمام خطوط کا اُردو میں ترجمہ ہوا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوا تو ضرور ہونا چاہیے۔ اگر کوئی فاضل بپاس شیخ محدث علیہ الرحمہ ان خطوط کا اُردو ترجمہ مع ضروری حواشی فرمادیں تو انشاء اللہ ہم معاونین مجلس ہذا کے تعاون سے ان کو علاحدہ کتابی صورت میں شائع کرسکتے ہیں۔

یہ تمام خطوط مذکورہ کتاب کے آخر میں موجود ہیں۔ ترجمے کا کام ہاتھ میں لینے سے قبل اگر ہمیں مطلع کردیا جائے تو اس کی اشاعت کا انتظام کرنے میں سہولت رہے گی۔ ہیچمدان - مدیر: منتظم]

شیخ مبارک کا بیٹا، ابوالفضل کا بڑا بھائی، دربار اکبری کا مشہور شاعر فیضی کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ وہ اپنے عہد کا مشہور و معروف شاعر اور ممتاز عالم تھا۔ عربی، فارسی اور سنسکرت کا فاضل تھا۔ قرآن شریف کی تفسیر بے نقط سواطع الالہام کے نام سے لکھی تھی جس کے متعلق غلام علی آزاد

بلگرامی کا خیال ہے کہ:

''برہان فضیلت شیخ فیضی .... است کہ دریں ہزار سال
پیشتر ہیچ مستعدی را میسر نہ شد''(۱)

محمد حسین آزاد نے صحیح لکھا ہے کہ انشا پردازی فیضی کے قلم کو سجدہ کرتی ہے۔(۲) اس کے شاعرانہ کمالات کا اعتراف اہلِ زبان کو بھی کرنا پڑا تھا۔ مولانا شبلی کا خیال ہے:

فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں
صرف دو شخص پیدا کیے جن کو اہلِ زبان کو بھی چار و ناچار ماننا
پڑا۔ خسرو اور فیضی''(۳)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور فیضی میں بہت گہرے تعلقات تھے۔ حجاز کو روانہ ہونے سے قبل وہ فتح پور سیکری میں اُن کی صحبت میں رہے تھے۔ لیکن بعد کو جب فیضی کے عقائد میں بے راہ روی پیدا ہوئی تو شیخ نے اس سے قطع تعلق کرلیا۔ جب شیخ حجاز سے واپس آئے تو فیضی نے ایک خط میں شوقِ ملاقات کا اظہار کیا، اور لکھا۔

''اگر بال و پرے می داشتم ہر روز بر بام آں حجرہ نشستم و دانہ
چیں نکات محبت می شدم''(۴)

بدایونی نے لکھا ہے کہ شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے فیضی سے ملنا پسند نہ کیا اور:

''مکاتیب عذر آمیز نوشت وانقطاع را بہانہ ساخت''(۵)

فیضی کو شیخ محدث سے جو والہانہ عقیدت اور محبت تھی اس کا اندازہ فیضی کے مکتوبات سے لگایا جاسکتا ہے۔ یہ سب مکتوبات اپنی جگہ بے حد اہم ہیں اس لیے ضمیمہ میں شامل کر دیئے گئے۔

جس زمانے میں فیضی اپنی تفسیر سواطع الالہام میں مصروف تھا، اس کی تمنا یہ تھی:

(۱) مآثر الکرام۔ص ۱۹۹۔ لیکن بدایونی نے اس تفسیر کے متعلق لکھا ہے کہ ''برائے شستن بدنامی کہ تاروز جزا بصد آب دریا شستہ نگردد، درعین حالت مستی وجنابت می نوشت'' (منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ص ۲۹۹)

(۲) دربارِ اکبری۔ص ۳۷۱ (۳) شعر العجم۔ حصہ سوم۔ص ۷۲۔

(۴) منتخب التواریخ۔ج ۳۔ص ۱۱۶۔۱۱۷۔ (۵) ایضاً ص ۱۱۶۔

''بزودی بخدمت میفرستد، کہ انوار نظر دوستاں را تاثیرے دیگراست''

شیخ کا مکتوب گرامی عرصے تک نہ پہنچتا تو لکھتا:

''مدتے است کہ آنجانب نسیمے نورزیدہ، موانع بخیرباد۔ در پناہ حق باشند''۔

ایک خط میں لکھتا ہے:

''محبت پناہا! دریں ماہ رمضان آوازہ مقدم گرامی بسیار بود، چنانچہ خدام سلالۃ الاصفیاء شیخ موسیٰ بفقیر فرمودند و بجد بودند، یارب چہ صورت دار دفی الواقع وقوعے پیدا خواہد کرد یا محض حرف وصوتے است باعلام حقیقت حال''۔

فیضی کا یہ معمول تھا کہ جو تصنیف مکمل ہوتی، شیخ کی خدمت میں روانہ کرتا۔ اور اُن کی رائے معلوم کرنے کا متمنی رہتا۔ یہاں فیضی کی شیخ محدث سے عقیدت وارادت پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ وہ تمام مکتوبات جو لطیفۂ فیضی میں شیخ کے نام ہیں یہاں (۱☆) درج کیے جاتے ہیں۔

فیضی کی شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ سے یہ ذاتی عقیدت اُن کے اس زخم کو مندمل نہ کرسکی جو فیضی کی دینی بے راہ روی سے ان کے حساس قلب پر لگا تھا۔ چنانچہ فہرس التوالیف میں فیضی کے متعلق لکھتے ہیں:

''دریں جزو زماں زبان بشاعری کشادہ وداد سخن وری دادہ است۔ فیضی اگرچہ کہ در فصاحت و بلاغت ومتانت ورضانت سخن ممتاز روزگار بود، ولیکن حیف کہ بہ جہت وقوع وہبوط، درہاویہ کفر و ضلالت رقم انگار دواد بار برناصیۂ احوال خود کشیدہ، زبان اہلِ دین وملت جناب نبوت راازبردن نام وے ونام جماعت شوم

(۱) دیکھیے ''تعلیقات'' در ''حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی'' از پروفیسر خلیق احمد نظامی مطبوعہ لاہور مکتبۂ رحمانیہ، سنہ ندارد، ص ۳۳۴ تا ۳۶۶۔ [مدیر]

وے باک است، تاب اللہ علیھم ان کانوا مؤمنین" (۱)

شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح غصہ کے لہجہ میں کسی معاصر کی گمراہی اور بے راہ روی کی شکایت نہیں کی۔ یہ تلخ نوائی شدت احساس کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔(۲) شیخ کے مجموعہ مکاتیب میں ایک خط: "تثبیت القدم علی الاصطبار بترک صحبۃ الاضداد والاغیار"۔

فیضی کے نام ہے۔اس خط میں شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے دو طبقوں کی حالت کا موازنہ کیا ہے۔ایک طبقہ ہے جس کو عیش و عشرت، سیر و تفریح کا شوق ہے۔جس کا تمام وقت "ہوائے باغ و سیر صحرا" میں گزرتا ہے۔دوسرا طبقہ ہے کہ "باوحشت اُنس گرفتہ" ان کے دل میں کسی اور چیز کی لگن ہے۔وہ سیر و تفریح سے دور اپنا وقت گزارتے ہیں۔یہ فرق دکھانے کے بعد شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ فیضی کے سامنے ایک ایسا شعر پڑھتے ہیں جس کو سُن کر فیضی کو یقیناً پسینہ آ گیا ہوگا:

تو داغِ جگر راچہ شناسی کہ نبودست
جز از مے گلرنگ بدامانِ تو داغے!

آگے چل کر شیخ لکھتے ہیں کہ جب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص غم خواری اور ہمدردی کرنے والا نہیں تو بعض اوقات خیال ہوتا ہے کہ عام لوگوں کے راستے پر چلنے لگوں، لیکن پھر غیب سے یہ ندا سنائی دیتی ہے:

"از صعوبت ایں راہ مترس کہ بسیاراں بایں راہ رفتہ اند و بمنزل مقصود رسیدہ"۔

فرماتے ہیں:

"ہیچ کس را ... نیابم کہ ... حرف آشنا گوید و ہمتے بخشد و دلداری دہد، اینجا نفس گوید کہ تو راہ گم کردہ و در کار خود غلط خوردہ راہ

---

(۱) فہرس التوالیف (قلمی)

(۲) ملا عبدالقادر بدایونی اس کے متعلق لکھتے ہیں:
"در وادی عناد و عداوت با اہلِ اسلام و طعن در اصل اصول دیں و اہانت و مذمت صحابۂ کرام و تابعین و سلف و خلف متقدمین و متاخرین و مشائخ و اموات و احیاء و بے ادبی و بے تحاشی ... ہمہ یہود و نصاریٰ و ہنود و مجوس برو ہزار شرف داشتند" منتخب التواریخ، جلد سوم، ص ۲۹۹-۳۰۰

ہماں است کہ عامہ خلائق بداں، سو میروند، کار ہماں کہ ایشاں
میکنند، اینجا حیرتے وتوقفے بلکہ تذبذبے وترددے راہ یابد وقدم
ہمت از رفتاری کہ دارد باز ماند و بروش اہلِ عالم نگراں گردد
نزدیک است کہ رفتار خودرا بگذارد وبہماں راہ رود کہ دیگراں می
روند باز ندائے از غیب در رسد یا ہم از باطن سالک پیدا شود،
واللہ اعلم، کہ ہاں حکایت نفس مشنو و بفریب دیواز راہ مردو
بازنگر کہ منزل نزدیک است'' (۱)

۰۰۰لطیفۂ فیاضی (۲)، فیضی کے رقعات اور عرضداشتوں کا ایک نادر مجموعہ ہے جو اُس کے بھانجے نورالدین محمد عبداللہ نے مرتب کیا ہے۔ ابوالفضل اور فیضی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''ایں کمترینِ نسبت خواہرزادگی وتلمذی بل فرزندی بحضرات مذکورہ داشت''۔

مجموعہ پانچ لطائف اور تین منطوقات پر مشتمل ہے۔ (۱) لطیفۂ اوّل، عرائض والا درگاہ۔ (۲) لطیفۂ دوم، مفاوضات فیاضی شرفاء وعلماء وغرباء۔ (۳) لطیفۂ سوم، بحکمائے معاصر (۴)۔ لطیفۂ چہارم، بہ سلاطین وامرائے عظام۔ (۵) لطیفہ پنجم، بہ نیاک واخوان واقارب۔ منطوقہ اوّل، مناجات فائز البرکات علامی وفہامی منطوقہ دوم، رقعات لطائف نکات خیر الانامی، منطوقہ سوم، مکاتیب متفرقہ کہ اعزہ واقارب شیخ فیضی نوشتہ اند۔

لطیفۂ فیضی کے دو قلمی نسخے پیشِ نظر ہیں۔ (۱) لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی (ف ادب ۵۹) کتابت ۱۷۔ ربیع الثانی ۱۱۰۷ھ (۲) ذخیرہ سر شاہ سلیمان (۶۲) کتابت ۱۲۲۰ھ۔ اوّل الذکر نسخہ صاف لکھا ہوا ہے۔ دوسرا خط شکست میں ہے۔ اختلافات فٹ نوٹس میں درج ہیں۔

ادبی خصوصیات سے قطع نظر، یہ خطوط تاریخی اعتبار سے بھی بے حد اہم ہیں۔ مکتوب نمبر ۱۳ میں گجرات اور گجراتیوں کے متعلق فیضی نے جو کچھ لکھا ہے وہ غور سے مطالعہ کے قابل ہے۔ سواحل

(۱) المکاتیب والرسائل۔ ص ۹۸۔ ۹۹

(۲) ''لطیفۂ فیاضی''، اس کتاب کا تاریخی نام ہے۔ جس سے سنہ ترتیب برآمد ہوتا ہے۔ یعنی ۱۰۳۵ھ۔

ہند پر پرتگالیوں کے اقتدار پر اپنی ناراضگی کا اظہار اس طرح کرتا ہے:

بدریا کنم غرق اہل فرنگ
برمِ از دل اہلِ اسلام زنگ

اس ناراضگی کا سبب بھی اس کی زبان سے سنیئے:

در بستہ کعبہ را وا کنم

اس زمانہ میں ان پرتگالی جہاز رانوں کی وجہ سے حج کو جانا بہت خطرناک ہوگیا تھا۔

ان مکتوبات کے مطالعے کے بعد شیخ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ کی بے حد عظمت دل میں قائم ہو جاتی ہے۔ محض اس وجہ سے نہیں کہ فیضی جیسا شخص اُن کی عزت کرتا تھا۔ بلکہ اس وجہ سے بھی کہ انھوں نے عسرت و تنگی کی جو زندگی اختیار کی تھی وہ ایسی حالت میں کی تھی جب دولت و حشمت ہاتھ باندھے ہوئے ان کے سامنے کھڑی تھی۔ جو شخص فیضی اور ابوالفضل کا مخدوم و محترم ہو اس کے لیے دربارِ اکبری میں کونسا مرتبہ ایسا تھا جو نہ مل سکتا تھا اور کونسی عزت ایسی تھی جو اُسے حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن اس نے ان تمام چیزوں کو ٹھکرایا اور اپنی زندگی کو ایک ایسے مقصد کے لیے وقف کر دیا جس میں بڑی صعوبتیں اور دشواریاں تھیں۔

فیضی کس محبت کے ساتھ ایک خط میں لکھتا ہے:

"روزے کہ از دیدہ در آمدہ بدل نمی گذرند چہ گوید کہ در دل و جاں چہ می گذرد"

ایک خط کو اس طرح شروع کرتا ہے تو واقعی دل کے ٹکڑے اس کے اندر رکھ دیتا ہے:

درنامہ تو چو دست برخامہ نہم
خواہم کہ دل اندر شکن نامہ نہم

———————

تذکرہ

حضرت شیخ محمد احسان رحمتہ اللہ علیہ

اقتباس از مقامات مظہری

مؤلفہ شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ

تحقیق و تعلیق و ترجمہ: پروفیسر محمد اقبال مجدّدی

ترتیب و پیش کش: شاہ انجم بخاری

حضرت شیخ محمد احسان رحمۃ اللہ علیہ

(خلیفۂ حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید قدس سرہٗ العزیز)

اقتباس از "مقاماتِ مظہری"، مؤلفہ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق و تعلیق و ترجمہ: پروفیسر محمد اقبال مجدّدی

ترتیب و پیش کش: شاہ انجم بخاری

حضرت شیخ محمد احسان رحمۃ اللہ علیہ آپ [یعنی حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید قدس سرہٗ] کے قدیم اصحاب اور اکمل خلفاء میں سے تھے۔ حضرت حافظ محمد محسن (☆۱) کی اولاد (☆۲) میں سے تھے۔ ان کا نسب شیخ عبدالحق (۹۵۸-۱۰۵۲ھ/۱۵۵۱-۱۶۴۲ء) رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔ ایامِ جوانی کے آغاز میں ان کے عقیدے میں انصراف اور بظاہر صراطِ مستقیم سے انحراف پیدا ہوگیا۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ آپ [حضرت مظہر] نے دودھ چاول تناول کیے اور بقیہ انھیں دے دیا۔ پس انھوں نے آپ کے دستِ مبارک پر توبہ کر کے واردات حاصل کیں۔ اسی راہ میں کمال استقامت سے ثابت قدم رہ کر بہت ترقی کی۔ اور طریقہ احمدیہ (مجددیہ) کے انتہائی مقامات پر فائز ہوئے۔ اپنے باطن کو انوار اور آگاہی کا مظہر بنایا۔

ان کی نسبت میں جذبہ اور شورش قوی تھی۔ ولایت قلبی کی سیر میں بے تابی اور نالہ ہائے

بے خودی بہت کرتے تھے۔ باطن کی حرارت شوق اور گرمیِ طپش کی وجہ سے سردی کے موسم میں بھی انھیں پنبہ دار لباس کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

جذباتِ محبت کے غلبے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اسمِ مبارک کے سُننے اور سماع کی آواز کی ان میں تاب نہیں تھی۔ ایک روز آپ [یعنی حضرت مظہر] کی خدمت میں فریاد لائے اور بے خود ہوگئے، آپ نے فرمایا کہ تمھاری نسبت میں ذوق وشوق پیدا ہوگیا ہے۔ اگر تم اسی نسبت گرم اور جذبہ وحالاتِ عشق ومحبت پر کفایت کرنا چاہتے ہو تو ہماری صحبت ترک کردو ورنہ اس قسم کی فریاد ونعرہ تمھارے لیے نقصان کا موجب بن سکتے ہیں۔ اس وقت ذکر ومراقبے میں فرشتوں کا مجمع تھا۔ تمھاری فریاد کی وجہ سے وہ منتشر ہوگیا۔ اور ان میں سے ایک تمھاری طرف تیز نظروں سے دیکھ رہا تھا، اگر تم اپنے باطن کا کام میرے حوالے کردو تو میں ایسی توجہ کروں گا، جس سے تم اس شورش کے مقام سے نکل کر طمانیت میں پہنچ جاؤ گے۔ کیوں کہ نسبت اطمینان، نسبت ''قرن'' کے مشابہ ہے، جو شائبہ ریا سے دور ہے۔ انھوں نے عرض کی کہ مجھے شورش اور طمانیت سے کوئی غرض نہیں ہے، میرا مقصد تو صرف آپ کی رضا کا حصول ہے۔

آپ نے انھیں (سابقہ مقام سے) پھلانگ (بطور طفرہ) کر بالا مقام پر پہنچا دیا۔ اور وہاں کے احوال پر فائز کردیا۔ جس سے ان کی بے تابی اطمینان میں بدل گئی۔ لیکن ان کی گرم استعداد کا تقاضا ابھی باقی تھا، کبھی کبھی بے اختیار ہوکر فریاد کر اُٹھتے تھے۔ جس سے بے خود ہوجاتے۔

ایک دن کسی نے ان کے سامنے کہا کہ مولوی ثناء اللہ سنبھلی کا روزینہ مشتبہ مال سے مقرر ہوا ہے۔ کہنے لگے حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے سینے سے انوار کی ایسی سبیل آتی ہے جو ان تمام کدورتوں کو بہا کر لے جاتی ہے، اس بات سے انھیں بہت فیض پہنچا، انھوں نے آہ بھری اور بے خود ہوگئے۔ ایک مرتبہ یہ شعر سننے سے:

رفتم از میکدہ اما بدعا می خواہم
کہ ازیں در نروم لغزش مستاں مدد دی (☆۳)

بہت بے تابی پیدا ہوئی۔ محبت کی یہی شورش انھیں مضطرب رکھتی۔ بسا اوقات انھیں عاشقانہ

نغمہ بے خود کردیتا۔ یہ عشق ہی ہے، جو طالبوں کے دلوں کے لیے حیات افزا اور یہ عشق ہی ہے، جو سالکوں کی جانوں کو بقا بخشتا ہے:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

شعر

گر عشق ترا نیست بہ تحقیق ز تقلید (☆۴)
چاکی بہ گریباں زن و خاکی سر افگن
کار ما عشق و بار ما عشق است
حاصل روزگار ما عشق است

شیخ محمد احسان فرماتے ہیں کہ (احمد) شاہ دُرّانی کے ہنگامۂ غارت گری (☆۵) میں، میں اپنے کوچے کے دروازے میں پوری ہمّت سے متوجہ ہوکر بیٹھ گیا، تاکہ غارت گروں میں سے کوئی کوچے میں داخل نہ ہونے پائے، فضلِ الٰہی سے ساری رات اس کوچے میں کوئی نہ آیا۔

ایک روز ایک شخص جو درد پہلو میں مبتلا تھا، ان کی خدمت میں عرض کی کہ اس مرض کے سلب کرنے کے لیے ہمّت کریں، جونہی اس کے کان میں اسم مبارک اللہ پہنچا، اس نے نعرہ مارا اور درد اُسی وقت ختم ہوگیا۔ (☆٦)

وہ فرماتے ہیں کہ مُلّا رحیم داد کے لشکر کی کفار سے شکست کے وقت میں بھی اس لشکر میں موجود تھا اس قیامت انگیز وقت میں بھی میری نسبت کا کامل غلبے کے ساتھ ظہور ہو رہا تھا گویا مجھے سردی کی شدت اور قتل و غارت کفار کی خبر ہی نہیں تھی۔ اور میں مشائخ کرام کی توجہ کی بدولت محفوظ رہا۔

فرماتے ہیں کہ کسب سلوک کے دنوں میں، میں نے سخت فقر و فاقہ اختیار کیا۔ پے در پے تین فاقوں کو ایک فاقہ خیال کرتا تھا۔

ایک روز آپ [حضرت مظہر] نے میرے احوال پوچھے میں نے اپنی بے سامانی کا ذکر کیا۔ انھیں افسوس ہوا، تھوڑا سا آٹا اور کرتہ خاص عنایت کیا۔ کہتے ہیں کہ اس تبرک شریف کی برکت سے

تنگی فراخی سے بدل گئی۔

بتاتے ہیں: کہ میں نے چھ ماہ تک آپ کی خدمت میں حاضر رہنے کی سعادت حاصل کی، جس سے اس کثرت سے فیوض حاصل ہوئے کہ کسی ریاضت اور مجاہدے میں اس قسم کی ترقی میسّر نہ آئی۔

حواشی: از پروفیسر محمد اقبال مجدّدی

☆۱ حافظ محمد محسن، (۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نواسے تھے (معمولات، ص ۱۸)

☆۲ جدید شجروں کے مطابق شیخ محمد احسان، شیخ محدث کی نرینہ اولاد میں ظاہر کیے گئے ہیں، یعنی میاں محمد احسان بن خیر اللہ بن ابوالحیات بن علیم اللہ بن شیخ نور اللہ بن شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق (خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبدالحق، ص ۲۵۵)۔ [راقم الحروف نے مرأة الحقائق سے اس شجرے کا احتیاطاً موازنہ کیا ہے۔ پروفیسر اقبال مجدّدی اور پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بالکل درست لکھا ہے۔ ناچیز: شاہ انجم بخاری عفی عنہ]

مفتی غلام سرور نے شیخ محمد احسان کو حافظ محمد محسن کا فرزند لکھا ہے (خزینة الاصفیاً ۱/۶۸۸) جو درست نہیں، اس بنیاد پر ہم نے اپنی تالیف احوال و آثار عبداللہ خویشگی میں بلاتحقیق انھیں حافظ محمد محسن کا فرزند لکھ دیا تھا جو جدید حقائق کی روشنی میں غلط ثابت ہوا ہے (ص ۱۴۸)۔

☆۳ ترجمہ:

اگرچہ میں، مے خانے سے چلا گیا ہوں لیکن یہ دعا کرتا ہوں کہ
اے لغزشِ مستانہ میں اس دروازے سے جانے نہ پاؤں

☆۴ (پہلا شعر) حافظ شیرازی: دیوان، طبع بمبئی، ص ۱۲ (ترجمہ) وہ شخص کبھی نہیں مرتا جس کا دل عشق سے زندہ ہو گیا ہو، دفترِ عالم (لوحِ محفوظ) پر ہماری زندگیِ جاوید کی مہر ثبت ہے۔

(ترجمہ شعر ثانی) اگر تجھے عشقِ حقیقی و مجازی حاصل نہیں تو اپنا گریبان پھاڑ لے اور اپنے سر پر خاک ڈال لے۔

☆۵ اس ہنگامے کی تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمۂ کتاب حاضر، خود میاں محمد احسان اپنے ایک مکتوب بنام حضرت مظہر میں لکھتے ہیں کہ احمد شاہ درّانی لاہور پہنچ گیا ہے، وہ سکھوں سے اور مرہٹے، جاٹوں سے صلح کرلیں گے۔ پھر شاہ اور مرہٹوں کے درمیان جنگ ہوگی۔ گویا یہ پانی پت کی تیسری جنگ جیسی کیفیت ہے، (لوائح، ص ۵۸)

☆۶ حضرت میاں محمد احسان احمدی کچھ عرصہ رام پور میں مقیم رہے ہیں، وہاں کے نواب فیض اللہ خان نے انھیں تین روپے نذر کیے تو وہ پورب کی طرف روانہ ہوگئے (لوائح ۲۵۹/۱۹۱)۔ میاں محمد احسان، مُلاّ رحیم داد کے لشکر میں بحیثیت ملازم مختلف مہمات پر اس کے ساتھ رہے، چنانچہ حملۂ سرہند میں وہ اس کے لشکر میں تھے۔ حضرت مظہر نے لکھا ہے کہ ایک ہفتہ ہوا وہ لشکرِ مُلاّ رحیم داد میں گئے ہیں۔ (مجموعۂ قریشی، ص ۷۱۔ لوائح، ص ۱۱۷) وہ مع متعلقین، فرخ آباد میں بھی مقیم رہے۔ (لوائح، ص ۹۵)۔
حضرت شیخ محدث کی اولاد میں سے چار افراد حضرت مظہر سے منسلک تھے۔ میاں محمد احسان (۲)، شیخ غلام حسن (۳)'' غلام عسکری خان (۴) اور میاں محمدی۔
ان صاحب زادگان کا ذکر حضرت مظہر کے مکتوبات میں ملتا ہے، نیز ان کی آپس کی مراسلت سے ان کے رشتے کے بھائی ہونے کا بھی ذکر ہے۔ غلام عسکری خان نے خود اپنے مکتوب بنام حضرت مظہر، میں محمد احسان احمدی کو اپنا بھائی لکھا ہے۔ (لوائح، ص ۷۹ اور مکتوب بنام حضرت مظہر یعنی مجموعہ خلیق انجم، ص ۲۱۷) لیکن یہ غالباً ان کا خطاب ہے نام کچھ اور ہوگا۔ وہ نواب عماد الملک سے وابستہ تھے، (لوائح، ۸۰) میاں محمدی کا نام نور الحق عرف حافظ محمدی بن سعادت اللہ بن سعد الدین بن جار اللہ بن نور اللہ بن نور الحق بن شیخ عبد الحق محدث تھا (خلیق احمد نظامی: حیات عبد الحق، ص ۲۲۵)۔
حضرت مظہر کے تین مکاتیب میاں محمد احسان کے نام ہیں۔ (نمبر ۲۷، ۳۷، ۴۷ مجموعہ خلیق انجم)۔
خود میاں محمد احسان کے پانچ عریضے حضرت مظہر کے نام خانقاہ اخوند مُلاّ نسیم اوچ (دیر) سے دستیاب ہوئے ہیں، جسے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے لوائح خانقاہ مظہریہ میں نقل کیا ہے،

(ص ۵۷ تا ۶۳)۔

میاں محمد احسان کے ایک فرزند بھی تھے، جن کا نام محمد حسن، خود حضرت مظہر نے ہی رکھا تھا۔

مولانا زید ابوالحسن فاروقی نے میاں محمد احسان از اولادِ شیخ محدث اور صاحبزادہ محمد احسان محمدی کو از اولادِ حضرت مجدد بتایا ہے اور موخر الذکر کو روضۃ القیومیہ کا مؤلف لکھا ہے (مکتوب مولانا زید بنام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، شامل ''حضرت مجدد، ایک تحقیقی جائزہ''، ص ۸۶۔۸۷) جو محلِّ نظر ہے۔

☆۷۔ مُلّا رحیم داد، ایک روہیلہ سردار تھا اُسے مجد الدولہ کی سرپرستی حاصل تھی (مجموعۂ قریشی، ص ۲۶۱)۔ بشاراتِ مظہریہ (ورق ۱۸۳/الف) میں لشکر اسلام کی کفار کی بجائے کفار سکھوں سے شکست کھانے اور مُلّا رحیم داد کے شہید ہونے کا ذکر ہے۔ اور حضرت مظہر نے اس لشکر میں حضرت مجدّد کی اولاد کی شمولیت کا بھی ذکر [کیا] ہے:

جماعت کثیر از صاحب زادہ ہای سرہند ہمراہ او (مُلّا رحیم داد) ہستند، (مجموعہ قریشی، ص ۱۲۴) پھر ایک مکتوب میں اس لشکر کی شکست، مُلّا رحیم داد کی شہادت اور اولاد حضرت مجدّد کے بعض افراد اور خود میاں محمد احسان کے اس معرکے میں زندہ رہنے کا ذکر کیا ہے: ''دیروز خبر متوحش شہادت ملّا رحیم داد و تباہی لشکرِ اسلام مشہور است۔ بعض پیرزادہ ہا و میاں محمد احسان جیو و لالہ ہر پرشاد جیو را خدا حافظ باد'' (ایضاً، ص ۱۳۱) تفصیل کے لیے دیکھیے، مقدمہ کتاب ہذا (ص ۶۷۔۷۰) [☆۵]۔

مزید حواشی

ترتیب و پیش کش: شاہ انجم بخاری عفی عنہٗ

☆۱ بسلسلۂ حافظ محمد محسن قدّس سرّہٗ

مقامات مظہری کے ص ۲۴۱ کے حاشیے نمبر ۳ کے ذیل میں حافظ محمد محسن قدس سرہٗ کے بارے میں جناب پروفیسر محمد اقبال مجدّدی نے یہ نقل کیا ہے کہ آپ: ''ظاہری علم میں بھی یگانۂ وقت تھے۔

وفات ۱۱۴۷ھ میں ہوئی (خزینۃ الاصفیاء ۱/٦٦۴۔٦٦٥) ان کا مدفن مزارِ حضرت شیخ عبدالحق کے مغربی چبوترے پر اندرونِ احاطہ میں چار قبور میں سے ایک ان کی ہے۔ (محمد عالم فریدی: مزارات اولیائے دہلی، ص ۹۴) بحوالہ ایضاً ص ۲۵۳۔

علاوہ ازیں مقاماتِ مظہری کے مذکورہ بالا صفحے (۲۴۱) پر حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ نے حضرت حافظ محمد محسن قدس سرہٗ کو سید السادات حضرت سید نور محمد بدایونی (م ۱۱۳۵ھ) کا مرشد و مربی لکھا ہے۔

حضرت سید نور محمد بدایونی قدس سرہٗ نے جن دو بزرگ ہستیوں سے "طریقۂ احمدیہ (مجدّدیہ) کے سلوک کے مقامات" طے کیے۔ حضرت حافظ محمد محسن قدس سرہٗ ان میں سے ایک ہیں۔ دوسری روشن ضمیر ہستی کا نام نامی اسم گرامی حضرت شیخ سیف الدین قدس سرہٗ العزیز ہے۔ جو عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم (فرزند سجادہ نشین حضرت مجدد الف ثانی) رحمۃ اللہ علیہم کے خلیفہ اور فرزند دلبند تھے۔

حضرت حافظ محمد محسن از اولاد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ بھی عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلیفہ تھے۔

سیّد السادات حضرت سیّد نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت میرزا مظہرِ جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اکتسابِ فیض کیا ہے۔ چنانچہ حضرت مظہر فرماتے تھے کہ ہم نے حضرت سیّد (نور محمد بدایونی) قدس سرہٗ سے چار سال تک استفادہ کیا۔ ہمیں اجازتِ تعلیم طریقہ اور تبرک خرقہ شریفہ عنایت فرمایا۔ اور عقیدۂ اہل سنّت و جماعت، سنّت کے مطابق عمل اور بدعت سے اجتناب کرنے کی وصیت کی"۔ (مقاماتِ مظہری: ص ۲۸۳)

حضرت نعیم اللہ بہرائچی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۸۴ھ) "معمولاتِ مظہریہ" میں لکھتے ہیں کہ:

"آنحضرت (مظہر شہید رضی اللہ عنہ) کو یہ بلند نسبت اوّل جناب سیّد السادات سیّد نور محمد بدایونی رضی اللہ عنہ سے حاصل ہوئی اور ان کو اوّل یہ نسبت جناب حضرت شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اپنے والد حضرت

خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ ملقب عروۃ الوثقیٰ سے مجاز تھے، سے عطا ہوئی اور دوسری دفعہ حضرت حافظ محمد محسن قدس سرہٗ (م ۱۱۰۷ھ) جو کہ شیخ عبدالحق دہلوی کے نواسے اور خلیفہ حضرت عروۃ الوثقیٰ سے ہیں، یہ نسبت حاصل ہوئی۔ اور آپ نے اپنی عمر کا اکثر حصہ ان کی خدمت میں گزارا"۔

[معمولات: ترجمۂ اُردو از تدبیر محمد قریشی مطبوعہ المصطفےٰ اکیڈمی حیدر آباد، سنہ ندارد، ص ۷۶۔]

حضرت حافظ محمد محسن قدس سرہٗ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔

"خزینۃ الاصفیاء (بہ حوالہ مقاماتِ مظہری ص ۲۵۳) میں ۱۱۴۷ھ اور "معمولاتِ مظہریہ" میں ۱۱۰۷ھ درج ہے۔ صحیح سنہ وفات کیا ہے؟ یہ تحقیق طلب ہے۔

اگر آپ کے مفصل اور تحقیقی حالاتِ زندگی بھی رقم ہو جائیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ اہل قلم حضرات سے توجہ کی درخواست ہے۔ [احقر: شاہ انجم بخاری]

☆۲ مقاماتِ مظہری سے حضرت میاں محمد احسان رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بعض دیگر معلومات پیش کی جاتی ہیں جن کے مطالعے سے آپ کے شیخ حضرت میرزا مظہر جان جاناں شہید قدّس سرّہٗ کے بعض کشوف و کرامات کا علم بھی ہوتا ہے۔ نیز حضرت حافظ محمد مُحسن قدّس سرّہٗ از اولاد حضرت شیخ عبدالحق محدث قدّس سرّہٗ کے مقام و مرتبے پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ "مقاماتِ مظہری میں رقم طراز ہیں کہ: "شیخ محمد احسان نے حضرت سیّد (نور محمد) رحمۃ اللہ علیہ کے پیر حضرت حافظ محمد محسن رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مراقبہ کیا تو ان کی زبان سے بے اختیار یہ نکلا کہ آپ حضرت میرزا صاحب کی بشارات کی صحت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ انھوں نے اپنے مزار سے باہر آ کر فرمایا، سب صحیح ہیں"۔ (ایضاً ص ۳۶۷) اسی ضمن میں آگے چل کر صاحبِ 'مقاماتِ مظہری' نے حضرت مظہر کے کشف کے سلسلے میں یہ بھی لکھا ہے: محمد احسان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے فرزند کا نام تجویز کرنے کے لیے آپ سے کہا اور ساتھ ہی میرے دل میں آیا کہ اگر اُس کا نام محمد حسن رکھیں تو یہ میری مرضی کے عین مطابق ہوگا۔ اس خیال کے دل میں آتے ہی فرمایا "میں نے تمھارے فرزند کا نام محمد حسن مقرر کیا ہے"۔ (مقاماتِ مظہری: ص ۳۶۹)

☆۳ شیخ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ

''شیخ محمد احسان کے بھائی (*i) اور آپ کے خاص اصحاب اور زبدۂ احباب میں سے ہیں۔ انھیں آپ کی مزید عنایات کا اختصاص بھی حاصل تھا۔ انھوں نے طریقۂ شریفہ آپ ہی سے حاصل کیا تھا۔ اور اس خاندان کی نسبت کے مقامات پر پہنچے۔ یادِ الٰہی میں اپنے اوقات بخوشی بسر کیے''۔ (*ii) (شاہ غلام علی دہلوی: مقاماتِ مظہری، مترجمۂ محمد اقبال مجددی ص ۴۰۲)

(*i) ''حقیقی بھائی نہیں تھے بلکہ رشتے میں باہم برادر تھے۔ نسب یوں ہے:
غلام حسن بن کمال الدین بن صبغۃ اللہ بن سیف الدین [مرآۃ الحقائق اور حیات شیخ عبدالحق، ہر دو کتب میں ''سیف اللہ'' ہے۔ مقاماتِ مظہری کے حاشیے میں غالباً سہو کتابت کی بناء پر سیف الدین درج ہو گیا ہے۔ ناچیز: شاہ انجم بخاری عفی عنہٗ] بن نور اللہ بن شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق محدث (خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبدالحق، ص ۲۵۵)۔ مولوی نعیم اللہ بہڑائچی نے لکھا ہے کہ وہ حضرت حافظ محمد محسن کی اولاد میں سے تھے (بشارات، ورق ۲۰۱ ب) جو درست نہیں ہے''۔ (پروفیسر محمد اقبال مجددی: حواشی بر مقامات مظہری، حاشیہ نمبر ۴۵، ص ۴۴۳)

(*ii) ''مولوی نعیم اللہ لکھتے ہیں کہ شیخ غلام حسن، حضرت مظہر کے 'کنار پروردہ اور تعلیم و تربیت کردہ' تھے، انھیں حضرت کے مزاج میں اس قدر دخل تھا کہ باوجود کثرتِ صحبت کبھی حضرت کی نازک مزاجی کے خلاف ان سے کوئی حرکت سرزد نہ ہوئی۔ خدا انھیں سلامت رکھے۔ اور ان کی رحلت کا داغ مجھے نصیب نہ ہو۔
اسی قسم کی دعا شیخ غلام بھی کیا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ 'داغِ رحلت آنحضرت بمن نصیب نکند' چنانچہ اسی طرح ہوا۔ کہ ان کی وفات اور حضرت مظہر کی وفات اس طرح ہوئی کہ دونوں کو ایک دوسرے کی رحلت کا علم نہ ہوسکا۔ (بشارت، ورق ۲۰۲ر الف)
غلام عسکری خان اور محمدی خان (مذکورہ حاشیہ نمبر ۴۳) بھی اسی خاندان کے افراد تھے۔ میاں محمدی خان کے بارے میں لکھا ہے کہ لکھنؤ میں رہتے ہیں۔ (ایضاً، ورق ۲۰۲۔ الف) نیز خاندان حضرت شیخ محدث کے بارے میں معاصر اطلاع ہے کہ ''تمام خاندان ایشاں (غلام حسن و متعلقان) از خرد و کلاں مخلص و معتقد آنحضرت اند'' (ایضاً، ۲۰۲۔ الف) متعلقین حضرت مظہر میں ایک اور غلام حسن کا نام آتا ہے جن کا تعلق صوبہ سرحد سے تھا، یہ ان سے مختلف ہیں (لوائح، ص ۲۱۱)
(پروفیسر اقبال مجددی: مقاماتِ مظہری، حاشیہ نمبر ۴۶ ص ۴۴۳)۔

☆۴ غلام عسکری خان

غلام عسکری خان، میاں محمد احسان کے بھائی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد اور عماد الملک کے متوسلین میں سے تھے۔ (پروفیسر محمد اقبال مجددی: ایضاً، حواشی نمبر ۱۲، ص ۴۷۳)

جناب پروفیسر محمد اقبال مجددی نے مقامات مظہری کے مقدمے میں اٹھارویں صدی میں ہندوستان کی مذہبی، سیاسی اور اقتصادی حالات کا بڑا جامع تجزیہ پیش کیا ہے۔ اپنے تجزیے میں دہلی کی اقتصادی حالت کا بیان کرتے ہوئے مکاتیب مظہری سے مندرجہ ذیل اقتباس بھی پیش کیا ہے۔ مقدمہ نگار کے بیان سے صاحبزادہ محمد احسان محمدی اور غلام عسکری خان کے باہم برادرانہ رشتے پر روشنی پڑتی ہے۔ مقدمہ نگار کا بیان اور مذکورہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"اپنے عزیز مرید صاحب زادہ محمد احسان محمدی کی پریشان کن گھریلو زندگی کا ذکر کرنے کے بعد ان کے برادر عزیز صاحب زادہ غلام عسکری ان کی والدہ کا ذکر بھی قابل توجہ ہے: 'غلام عسکری خان کی والدہ وغیرہ فاقہ کشی کی وجہ سے فرخ آباد جانے کا ارادہ رکھتی ہیں'۔

(مکاتیب مرتبہ قریشی ۶۲/۴۵۔ بحوالہ مقدمہ ص ۹۷۔۹۸)

اسی طرح اپنے مقدمے میں جناب پروفیسر محمد اقبال مجددی بعنوان "متوسلینِ حضرت مظہر مختلف لشکروں میں"، "بسلسلہ اولاد حضرت شیخ عبدالحق خصوصاً غلام عسکری خان کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> "حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے متوسلین کئی مہمات اور لشکروں میں شامل تھے۔ بعض معاشی تنگی کے سبب مختلف اربابِ حکومت سے منسلک ہو گئے تھے۔ بعض اس وقت کے حالات اور مسلم دشمن سیاست سے متاثر ہو کر رضا کارانہ طور پر ان لشکروں میں شامل ہو گئے تھے۔
>
> ... حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد میں سے جتنے اصحاب اس وقت بقیدِ حیات تھے اور حضرت مظہر سے منسلک تھے وہ بھی ان لشکروں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ جب غلام عسکری خان (از اولاد شیخ محدث)

عماد الملک کے متوسل ہوئے تو آپ نے انھیں لکھا:

''افسوس تم نے دنیا کے لیے آخرت کو چھوڑ دیا اور دنیا ہاتھ نہیں آتی اگرچہ وجہ معاش پر آخرت کی بنیاد ہے''۔

(انجم: خطوط، ۶۶/۱۸۱ بحوالہ مقدمہ ص ۸۵۔۸۶)

... غلام عسکری خان مذکور کے چھوٹے بھائی میاں محمدی، سیّد علی خاں کے لشکر میں شامل تھے:

''میاں محمدی برادر خرد غلام عسکری خان قصدِ لشکر سیّد علی خان دارد۔ برای رفاقت دہ پیادہ از لشکر امروز یا فردا می رسند۔ تقریب خوب است''۔

(قریشی: مکاتیب ۸۰/۱۱۶ بحوالہ مقدمہ ص ۸۶)

☆۵ بسلسلۂ مُلّا رحیم داد خان

''مُلّا رحیم داد خان ایک باہمّت روہیلہ سردار تھا۔ پولیر نے بھی اعتراف کیا ہے کہ وہ ایک بااُصول، وعدے کا پابند، مذہبی اور متشرع انسان تھا۔ [پولیر: شاہ عالم ثانی کے عہد دہلی دربار ترجمہ نصیب اختر کراچی، ۱۹۶۷ء ص ۷۰] ابتدا میں وہ بخت خاں کا ملازم تھا... حضرت مظہر کے مشورے سے مُلک دشمن ایرانی پارٹی جس کا سربراہ نجف خاں تھا، کو چھوڑ کر تورانی پارٹی کے لیڈر اور حضرت مظہر کے مکتوب الیہ عبدالاحد خان سے منسلک ہو گیا تھا۔... علاقہ جیند فتح کرنے کے بعد ۱۷۷۸ء میں واپس آ رہا تھا کہ سکھوں نے اس پر حملہ کر دیا وہ اور اس کے ساتھی بالکل بے خبر تھے۔ مُلّا رحیم دا زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا۔

... حضرت مظہر کو اس قابل اور مخلص مسلم جرنیل کی شہادت پر بہت افسوس ہوا تھا''۔

(مُلّا رحیم داد اور حضرت مظہر: مقدمہ ص ۶۷۔۶۸)

''... حضرت مظہر کے ایک خلیفہ حضرت محمد احسان بھی مُلّا رحیم داد کے لشکر میں شامل تھے۔ قاضی صاحب [قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ] کو یہی اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میاں محمد احسان صاحب از یک ہفتہ، مع خط فقیر بنام شما، روانہ لشکرِ رحیم داد شدہ اند"۔

(مکاتیب مرتبہ قریشی ۶۶/۹۴، بحوالہ مقدمہ ص ۶۹)

صاحبِ مقامات مظہری خود صاحب زادہ محمد احسان کی زبانی لکھتے ہیں:

"ملّا رحیم داد کے لشکر کی کفار سے شکست کے وقت میں بھی اس لشکر میں موجود تھا"۔

[شاہ غلام علی دہلوی: مقاماتِ مظہری، ص ۸۳ (فارسی متن) بحوالہ مقدمہ ص ۶۹]

"اے اللہ میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو تیرے دربار کے لائق ہو کیونکہ میرے تمام اعمال میں فسادنیت و کمی عمل شریک ہے البتہ مجھ حقیر فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ میلاد مبارک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا اور نہایت ہی عاجزی و خاکساری، محبت و خلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا رہا

اے اللہ وہ کونسا محل و مقام ہے جہاں میلاد مبارک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ تیری خیروبرکت اور کرم و رحمت کا نزول ہوتا ہے؟ اس لیے اے ارحم الراحمین مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی بیکار نہ جائے گا بلکہ لازما تیری بارگاہ میں قبول ہو گا اور جو کوئی درود و سلام پڑھے اور اس کے ذریعہ دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہو سکتی"۔

(حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

مرزا مظہر جانِ جاناں کے خطوط

بنام

اولادِ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی

(صاحبزادہ غلام عسکری خان محمدی اور صاحبزادہ محمد احسان محمدی)

ترجمہ وحواشی: ڈاکٹر خلیق انجم

[میرزا مظہر جانِ جاناں شہید (شہادت ۱۷۸۰ء) کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ اٹھارویں صدی عیسوی مغل حکومت کے انحطاط وزوال کا دور ہے۔ حضرت مظہرؔ نے دنیا سے بچتے ہوئے اپنے متوسلین کی خیر خواہی اور عامّۃ الناس کی بھلائی کی خاطر مغل حکومت کے بعض منصب داروں اور سرداروں کو اِصلاحِ احوال کے لیے مشورے بھی دیئے۔ مگر جب دل کا جانا ٹھہر گیا ہو تو پھر مقدر کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے۔ لیکن اہلِ دل تو عوام کی پریشانیوں پر بے چین ہو جاتے ہیں۔ انھیں اگر دکھ ہوتا ہے تو اسی بے گناہ اور غریب طبقے کے ناحق پسنے کا بقول دردؔ:

حیف! کہتے ہیں ہوا گلزار تاراجِ خزاں
آشنا اپنا بھی واں اِک سبزۂ بیگانہ تھا

میرزا مظہر کے مکاتیب میں بھی اسی آشنائی کا درد اور اسی ''خزاں'' کی تاراجی کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ حضرت مظہر اپنے متوسلین کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ خصوصاً اولادِ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ سے تو انھیں خاص تعلق تھا۔ چنانچہ کبھی ان کی اور ان کے اہلِ خانہ کی خبر گیری ہو رہی ہے۔ تو کبھی ان کے توسط سے نوابوں اور سرداروں کو اصلاحِ احوال کے مشورے دیے جا رہے ہیں۔ یہ دل سوزی اور جذبِ دروں محض اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی رضا و خوشنودی کی خاطر تھا ورنہ فقیر کو ان معاملات سے کیا مطلب بقول حالی:

چھپتا نہیں نظروں میں یاں خلعتِ سلطانی
کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ میرزا مظہر کا شمار سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے بلند پایہ شیوخ میں ہوتا ہے۔ دہلی میں آپ کی خانقاہ ارشاد مرجع خلائق تھی۔ روہیلوں سمیت مختلف اقوام کے چھوٹے بڑے سردار آپ کی محبت کا دم بھرتے تھے۔

پروفیسر محمد اقبال مجدّدی کی تحقیق کے مطابق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد میں سے بھی چار افراد حضرت مظہر سے منسلک تھے۔ (۱) میاں محمد احسان (۲) شیخ غلام حسن (۳) غلام عسکری خان (۴) اور میاں محمدی

شاہ غلام علی دہلوی نے مقاماتِ مظہری میں حضرت مظہر کے خلفائے کرام کے تذکرے میں میاں محمد احسان اور شیخ غلام حسن کا بھی ذکر کیا ہے۔ بقول پروفیسر محمد اقبال مجدّدی: ان صاحب زادگان کا تذکرہ حضرت مظہر کے خطوط میں ملتا ہے۔ ''حضرت مظہر کے تین مکاتیب میاں محمد احسان کے نام ہیں۔ (نمبر ۷۲، ۷۳، ۷۴)'' جب کہ غلام عسکری خان کے نام حضرت مظہر کے سات خطوط ہیں (نمبر ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱ اور ۸۹) یہ تمام خطوط جناب خلیق انجم کے مرتبہ و مترجمہ مجموعے (''مرزا مظہر جانِ جاناں کے خطوط دہلی مکتبہ برہان، ۱۹۶۲ء) میں محفوظ ہیں۔

اولادِ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کے تذکرے کی مناسبت سے یہ خطوط جناب مترجم کے شکریے کے ساتھ یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ اِن خطوط کے مطالعے سے جہاں حضرت

مظہر اور اولادِ حضرت شیخ محدث کے درمیان خصوصی روابط کا علم ہوتا ہے وہیں یہ حضرت مجدد اور حضرت شیخ محدث کی اولاد میں باہمی اُخوت و محبت، اُلفت و احترام اور نیاز مندی کے خصوصی تعلق اور رشتوں کا بھی ثبوت فراہم کرتے ہیں۔[ناچیز: شاہ انجم بخاری]

مرزا مظہر بنام صاحبزادہ غلام عسکری خان محمدی (۱)

(۶۶)

فقیر، نواب یعنی عمادالملک (۲) کی آرزو سے بہت شرمندہ ہے۔ ارادہ ہے کہ گھر واپس جاتے ہوئے متھرا سے گزروں اور متھرا میں ٹھہر کر اپنے ورود کی خبر پہنچاؤں۔ اور وہ (عمادالملک) متھرا میں آئیں۔ ایک دو روز ملاقات کر کے فقیر کو رخصت کریں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ فقیر جاٹ (سورج مل جاٹ) (۳) کے قلعوں میں ہرگز داخل نہ ہوگا۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ فقیر پانی (جمنا) کے کنارے تک نواب کی کوئی خاطر مدارات قبول نہیں کرے گا۔ خواہ وہ راضی ہوں یا نہیں۔ اگر تم سے ہو سکے تو نواب کو ان شرائط پر راضی کر کے اطلاع دو تا کہ ہمارا وہاں جانا بیکار نہ ہو۔ بعض آثار سے ملاقات کی توقع بہت کم ہے۔ خدا تم کو بزرگوں کے طریقے پر ثابت قدم رکھے۔ کیونکہ دنیاداری کے شغل اور ''بیگانگانِ طریقہ'' کی صحبت بہت بڑی مصیبت ہے۔ افسوس ہے کہ تم نے دنیا کے لیے آخرت کو چھوڑ دیا ہے۔ اور دنیا ہاتھ نہیں آتی۔ اگرچہ وجہ معاش پر آخرت کی بنیاد ہے۔ سُنا ہے نواب نے اپنے رفیقوں کا غیر حاضری کی وجہ سے قلیل سا وظیفہ بند کر دیا ہے (حالانکہ) ان رفیقوں میں ہر ایک کا وجود ایک الگ فائدہ رکھتا ہے۔ شاہ محمد یارانِ طریقہ میں سے ہیں۔ وہ بھی ان لوگوں میں آ گئے۔ اگر ہو سکے تو کہنا ان کا بھلا اسی میں ہے کہ یہ طریقہ چھوڑ دیں۔ اس سے نقصان ہوتا ہے۔ اور اندیشہ ہے کہ محمد احسان احمدی کا بھی وظیفہ بند ہو جائے گا۔ وقس علی ہٰذا۔ والسلام

حواشی بسلسلۂ مکتوب نمبر (۶۶)

از پروفیسر خلیق انجم

☆ ۱ عسکری خاں، عمادالملک کا عہدہ دار تھا۔ مرزا صاحب کے کئی خطوط اس کے نام ہیں۔ جن

سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے عماد الملک کے مزاج میں اچھا خاصا دخل تھا۔

☆۲ عماد الملک کا نام میر شہاب الدین تھا۔ یہ فیروز جنگ غازی الدین کا لڑکا تھا۔ جب فیروز جنگ کو احمد شاہ بادشاہ نے دکن کے انتظامات پر مقرر کیا۔ تو دکن جانے سے پہلے فیروز جنگ نے اپنے لڑکے شہاب الدین کو نیابت میر بخشی پر مقرر کرادیا۔ تعلیم وتربیت اور دیکھ بھال کے لیے اسے صفدر جنگ کے سپرد کردیا۔ جب فیروز جنگ کا دکن میں انتقال ہوا تو صفدر جنگ نے لحاظ ومروت سے اسے میر بخشی کا عہدہ دلایا اور بادشاہ نے عماد الملک کا خطاب دیا۔ عماد الملک لڑکپن ہی سے ذہین اور ہوشیار تھا۔ اپنے جوڑ توڑ اور صفدر جنگ کی غلطیوں سے فائدہ اُٹھا کر احمد شاہ کو صفدر جنگ کا اتنا مخالف کردیا کہ صفدر جنگ کو بادشاہ کے خلاف بغاوت کرنی پڑی۔ صفدر جنگ نے مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا کر دہلی پر حملہ کیا۔ چھ ماہ تک مسلسل لڑائی رہی۔ عماد الملک کی ہوشیاری سے صفدر جنگ کو شکست ہوئی۔ صفدر جنگ کے بعد وزارت کے عہدے پر قمر الدین وزیر کا لڑکا انتظام الدولہ فائز تھا۔ (اس کی وزارت کا زمانہ مارچ ۱۷۵۳ء سے مئی ۱۷۵۴ء تک ہے) دربار میں انتظام الدولہ کے خلاف بغاوت ہو رہی تھی۔ عماد الملک نے مرہٹہ سردار ہولکر اور خاص طور پر صمصام الدولہ میر آتش کی مدد سے انتظام الدولہ سے وزارت چھین لی اور خود اس عہدہ پر فائز ہو گیا۔ اسے احساس تھا کہ مغل بادشاہ احمد شاہ اس کا سخت مخالف ہے اس لیے عماد نے احمد شاہ اور اس کی ماں کو گرفتار کرلیا۔ اور ایک ہفتہ بعد دونوں کو اندھا کردیا۔ ۱۱۶۷ھ میں جہاندار شاہ کے پوتے عالم گیر ثانی کو تخت پر بٹھایا اور پھر پنجاب کے انتظام کی طرف متوجہ ہوا۔ لاہور احمد شاہ درّانی کے قبضہ میں تھا۔ وہ معین الملک کو گورنر بنا گیا تھا۔ وفات کے بعد اس کی بیوی مغلانی بیگم یہاں کی گورنر تھی۔ احمد شاہ ابدالی اس کی بہت زیادہ عزت کرتا تھا۔ اور عماد نے مغلانی بیگم کو گرفتار کر کے لاہور پر قبضہ کرلیا اور تین لاکھ روپے کی پیشکش پر آدینہ بیگ کو یہاں کا گورنر مقرر کردیا۔ جب درّانی نے یہ خبر سنی تو فوراً ہندوستان پہنچا۔ آدینہ بیگ فرار ہو گیا۔ عماد کو گرفتار کرلیا گیا۔ لیکن اس کے معافی مانگنے اور خود مغلانی بیگم

کی سفارش پر اسے رہا کر دیا گیا۔ یہ ۱۱۷۰ھ کا واقعہ ہے۔ درّانی نے دو مغل شہزادوں کے ساتھ عماد کو اودھ کی طرف روانہ کیا تا کہ وہاں سے دولت حاصل کی جائے۔ اسی دوران میں عالمگیر ثانی اور نجیب الدولہ کی ملاقات ہوئی۔ بادشاہ کی شکایت پر احمد شاہ ابدالی نے عماد الملک کو برطرف کر کے نجیب الدولہ کو امیر الامراء کا عہدہ دلایا۔ عماد الملک نے جب یہ سنا تو ہالکر اور رگناتھ راؤ کو دکن سے بلا کر دہلی کا محاصرہ کر لیا۔ پینتالیس دن تک جنگ جاری رہی۔ آخر نجیب الدولہ نے ہالکر کو رشوت دے کر اپنی طرف ملا لیا اور عماد الملک ایک بار پھر دہلی کا ڈکٹیٹر ہو گیا۔ اس نے ۲۹ نومبر ۱۷۵۹ء کو عالم گیر ثانی اور ۳۰ نومبر کو انتظام الدولہ کو قتل کرا دیا۔ درّانی نے جب یہ خبر سنی تو پھر دہلی کی طرف آیا۔ عماد الملک فرار ہو کر سورج مل جاٹ کے قلعہ میں پناہ گزین ہو گیا۔ ۱۷۵۹ء سے ۱۷۶۲ء تک عماد الملک سورج مل کے ساتھ رہا۔ پھر فرخ آباد آ گیا۔ کچھ دن بعد حج کو چلا گیا۔ وہاں سے واپس آ کر کالپی میں مقیم ہوا۔ جہاں ۱۸۰۰ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مغل حکومت کا زوال جلد اوّل ص ۴۴۵/۴۴۶ جلد دوم ص ۹۰۱/ اور ۵۲۷-۵۲۸، مآثر الامراء، جلد دوم ص ۸۴۷/۸۵۶، سیر المتاخرین، جلد سوم ص ۸۹۳/۹۰۸، دستور الفصاحت دیباچہ ص ۵۶/۵۷۔ [جناب خلیق انجم کا پیش کردہ حاشیہ ختم ہوا]

"۰۰۰اس [عماد الملک] کی نعش وہاں کالپی سے پاک پٹن لا کر دفن کی گئی۔ سیاسی جوڑ توڑ کے علاوہ اس کی زندگی کا دوسرا پہلو خاصا قابلِ ستائش ہے۔ وہ حضرت شاہ ولی اللہ کا معتقد اور مکتوب الیہ، حضرت مظہر کے اس کے نام چار خطوط، حضرت شاہ فخر جہاں دہلوی سے گہری عقیدت اور ان کے حالات پر اس کی مایہ ناز تصنیف 'مناقب فخریہ' (مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۱۵ھ) اور دیگر علماء و مشائخ کے ساتھ اس کی مسلسل صحبت و عقیدت اور عربی، فارسی، ترکی، کشمیری، افغانی (پشتو) اور مرہٹی زبانوں میں اس کی مہارت مسلمہ تھی۔ وہ صاحبِ دیوان شاعر بھی تھا اور نظام تخلص کرتا تھا۔

مدّت تک ایک فقیر شمس الدین کو ہمراہ رکھا۔ ۰۰۰ نہ صرف عماد الملک بلکہ اُس کا والد نواب

غازی الدین خان فیروز جنگ (م ۱۱۶۵ھ/ ۱۷۵۲ء) بھی حضرت مظہر کا مرید تھا۔

۰۰۰ عماد الملک کی حرص اور لالچ جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو حضرت مظہر کی اس کے بارے میں آراء تبدیل ہونا شروع ہو جاتی ہیں‘‘۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیں مقدمۂ مقامات مظہری از پروفیسر محمد اقبال مجددی ص ۷۴ تا ۸۰۔ [ناچیز: شاہ انجم بخاری]

(۴) سورج مل جاٹ متبنیٰ تھا راجہ بدن سنگھ والئی بھرت پور کا۔ سورج مل کی خالہ راجہ کی حرم تھی اس لیے سورج مل اکثر حرم میں آتا رہتا تھا۔ راجہ نے اس کی ذہانت سے متاثر ہو کر اُسے گود لے لیا۔ اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے سورج مل نے بہت جلد یہ ثابت کر دیا کہ بدن سنگھ کے بعد جاٹوں کی سرداری کا صرف وہی اہل ہے۔ خود راجہ کی حکومت کا نصف آخر دور سورج مل کی تاریخ ہے کیوں کہ راجہ صرف برائے نام رہ گیا تھا۔ سورج مل نے بہت جلد اپنی تلوار کے زور سے آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ جب محمد شاہ بادشاہ نے مئی ۱۷۴۵ء میں علی محمد خاں روہیلہ پر حملہ کیا تو سورج مل بھی بادشاہ کی حمایت میں اس جنگ میں شامل ہوا۔ اسی سال نومبر میں علیگڑھ کے صوبہ دار فتح علی خاں نے اس کی خدمات حاصل کیں۔ اور فتح علی خاں کو اپنے دشمن اسد خاں خانہ زاد [کذا] پر فتح ہوئی۔ صفدر جنگ نے جب نواب بنگش پر حملہ کیا تھا تو سورج مل بھی صفدر جنگ کے ساتھ تھا۔ کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے متھرا کی صوبہ داری اس کے سپرد کر دی۔ اس طرح سورج مل کو مغل حکومت میں اچھا خاصا عمل دخل ہو گیا۔ وہ ایک ایماندار اور بہادر انسان تھا۔ اس کی آخری لڑائی نجیب الدولہ کے ساتھ دہلی کے پاس ۱۷۶۳ء میں ہوئی جس میں وہ مارا گیا۔ اور جاٹوں کی وہ طاقت جنھوں نے اکثر لڑائیوں کا فیصلہ کیا تھا ختم ہو گئی۔ ملاحظہ ہو مغل حکومت کا زوال جلد دوم ص ۴۴۲/ ۴۶۳۔ [خلیق انجم]

بنام صاحبزادہ غلام عسکری خان محمدی

(۶۷)

سُنا جاتا ہے کہ نواب کے مقرّبین اس بزرگ معہود کے حوالی موالیوں کو نواب سے روشناس کرر ہے ہیں (حالانکہ) ان لوگوں کے سلسلے میں نواب سے حلفیہ معاہدہ ہو چکا ہے۔ کسی خاص وقت میں نواب کو اس امر سے متنبہ کر دینا اور وہ جو کچھ جواب دیں لکھ دینا۔ اگر چہ دنیاداروں کے جواب کا بھروسہ نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ صرف وہ کام کرتے ہیں جس میں ان کا فائدہ ہو، بعد میں بلا سے نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ عہدو پیان فراموش کر دیتے ہیں۔ نواب سے کہیے سنا ہے کہ راجا سے کدورت دور ہوگئی ہے۔ اگر واقعی ایسا ہو گیا ہے تو اسے خدا کی دین سمجھیں اور اس ہندو سے کام لیں کہ اس زمانہ میں کوئی اس سے بہتر نظر نہیں آتا۔ اور پھر اسے آزردہ نہ کریں۔ جھوٹ بولنے والے دریدہ دہن خود غرض لوگوں سے کام خراب نہ کریں۔ جب تک عہدو پیان پر استقامت نہ کریں گے اور ساتھ رہنے والے جو کچھ چاہیں وہ نہ دیا جائے گا اس وقت تک حصولِ مطلب محال ہے۔ اور کہیے (نواب سے) ایسی تدبیر کریں کہ لوگوں کو ان کے قول اور فعل پر اعتماد پیدا ہو جائے۔ تا کہ وہ اُمید و بیم کی حالت میں اس (بزرگ معہود) کی طرف رجوع نہ کریں۔ یہ بھی کہیئے کہ خدا سے عہدِ موکد کریں کہ اب اس کے بعد لوگوں سے انصاف اور ایمانداری سے پیش آئیں گے۔ اگر وہ سچے رہے تو اس کی برکت سے ان کے مشکل کام حل ہو جائیں گے۔ ہر کام وقت آنے پر پورا ہوتا ہے۔ تاخیر سے مایوس نہ ہوں۔ روپے پیسے اور خزانے کی کمی سے ہراساں نہ ہوں۔ موجودہ قاضی القضاۃ مجید الدین خاں جو علم میں کمال رکھتے ہیں، دیانتداری اور انصاف میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ اور فقیر سے اُن کا تعلق برادرانہ رشتے سے زیادہ ہے۔ اس سے پہلے بھی ان کے بارے میں نواب کو خبر دے چکا ہوں۔ اگر مملکت پر تصرف کے بعد ان کو بحال نہ کیا گیا تو فقیر بھی اس شہر میں نہیں رہے گا۔ کیونکہ قاضی کا وجود آبِ رحمت ہے۔ یہ بات خود غرضی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض خدا کے لیے لکھی ہے۔ اگر چہ زیادہ امکان اسی کا ہے کہ ملک پر قبضہ ہونے کے بعد ہماری اور نواب کی ملاقات نہیں ہوگی کیوں کہ ہم دونوں کے مزاج میں مناسبت نہیں ہے لیکن ان کی کامیابی ہی ہمارا مقصود ہے۔ بشرطیکہ ان کا وجود خلائق کے لیے فائدہ مند ہو۔ والسلام

بنام صاحبزادہ غلام عسکری خان محمدی

(۶۸)

تمہارا خط پہنچا۔ مضامینِ وحشت آگین سے جو مجھ پر گزرنی تھی گزری۔ چونکہ ہم غرض نفسانی نہیں رکھتے اور ہمارا عمل نیک نیتی پر مبنی ہے اس لیے ہم نے صبر کیا اور اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ وگرنہ نواب نے جو بے اعتنائی تمہارے ساتھ کی وہ گویا فقیر کے ساتھ کی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو آگ لگا دوں۔ جو کچھ ہوا اچھا ہوا۔ اب کچھ لطف باقی نہ رہا۔ میں اس جھگڑے سے در گزرا۔ ہمیں دردِسر کی ہوس نہیں۔ خدا جانتا ہے کہ اپنے طور کے خلاف کس ارادہ سے اس مقدمہ میں ہم نے گفتگو کی ہے۔ اب اس معاملے کو ختم کیے بغیر دو تین دن اور ہاتھ نہیں کھینچنا چاہیے۔ اور چارو ناچار مکروہات کو دیکھنا چاہیے۔ شاید دنیا کی اصلاح اس صورت سے ہو جائے۔ اگر نواب کی آزردگی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ تمہارا روزمرہ بھی بند کردے تو پھر تمہارا اس جگہ رہنا عبادت ہے۔ اِنّ اللہ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (کیونکہ اللہ رزق دینے والا اور قوت والا ہے) حوصلہ کے مطابق کام کرنا چاہیے۔ نادانوں کی معمولی سی بات پر اپنی جگہ سے نہیں جانا چاہیے۔ انشاء اللہ سچائی غالب آئے گی۔ سب بھائیوں کے ساتھ حزبُ البحر کا وظیفہ پڑھتے رہو۔ مولوی صاحب کے متوسلین فقیر سے احتراز کرتے ہیں۔ اس کی وجہ معلوم نہیں۔ اور انھوں نے برسوں سے ملاقات کرنا بند کردیا ہے۔ ہمیشہ ان کی طرف سے سلام اشتیاق اور ملاقات ہوتی تھی۔ اس رویہ کا راز میں نہیں سمجھا۔ وہ جھوٹا فقیر جس دن سے میرے گھر سے دوائے معہود لے گیا ہے اپنی صورت چھپائے ہوئے ہے اور خدا اُس کی شکل نہ دکھلائے۔ اس لیے فلاکت اور افلاس میں گرفتار ہے۔ والسّلام

بنام صاحبزادہ غلام عسکری خان محمدی

(۶۹)

تمھارے خط سے جو احوالِ نگاہداشت اور تنخواہوں میں تخفیف کے حال پر مشتمل تھا اور دوسری معتبر خبروں سے مطلقاً بے اصولی کا حال معلوم ہوا، عجیب بات ہے۔ طاقتور دشمن کا مقابلہ درپیش ہے۔ حصولِ مقصد کے ساتھ جان اور آبرو کی حفاظت بھی منظور ہے۔ ایسے وقت میں روپیہ پیسہ خرچ کیے بغیر نئے رفیقوں سے جانفشانی کی توقع کرنا عقل سے دور بات ہے۔ اگر خزانے میں روپیہ زیادہ نہ ہو تو مقدور بھر اور ضرورت کے مطابق لوگوں کو روپیہ دینا چاہیے۔ کیوں کہ نواب کی رفاقت آخرت کے لیے تو ہے نہیں۔ لوگوں کے فائدے کے خیال سے ہٹ کر اپنے مصائب دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ مخالف اسی لیے لوگوں کے ساتھ رعایت کرتے ہیں۔ منت اور سماجت کے ساتھ انھیں اپنا دوست بناتے ہیں۔ اور جو عزیز فقیر کے کہنے پر اس فتوح کو چھوڑ کر بے سامانی کے ساتھ سفر کی تکلیفیں اُٹھائیں اور جنھیں آدھی روٹی اور تھوڑا سا پانی بھی نہ ملے تو پھر وہ میری تعریفیں تو کرنے سے رہے۔ اگر میرے پاس روپیہ ہوتا تو ان مایوس سرداروں پر خرچ کرتا اور انھیں بھیج دیتا کیونکہ ہر قوم کے سردار ہم سے ربط رکھتے ہیں۔ کیا کروں:

بے زری کرد بمن آنچہ بقاروں زر کرد

ارشاد خاں اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ اور بختاور خاں اپنی بہادری کے ساتھ، ایک اور شخص ہے محمد خاں آفریدی جو معمولی کوششوں سے روہیلہ سرداروں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اور ان کے ہنگاموں کو برہم کر دیتا ہے۔ یہ سب لوگ پے بہ پے فاقے کر رہے ہیں۔ ان میں سفر کی طاقت کہاں ہے۔ جب تک ان کی مدد نہ کی جائے اور روزمرہ کی وصولیابی سے متعلق پکا وعدہ نہ کیا جائے یہ کام مشکل ہے۔ اپنے اقارب کے بارے میں کیا لکھوں کہ ان کو اس گہرے رشتے کے باوجود ان کے (نواب) دولت خانہ سے کوئی فیض نہیں پہنچا (سب) گھر پڑے ہیں۔ اپنی طرف سے ہم نے نواب کو خط نہیں لکھا اور نہ روئے سخن نواب کی طرف ہے۔ سعادت خاں کو شاہ ولی خاں زبردستی اپنے ساتھ لے گیا اور سعادت خاں ابھی تک واپس نہیں آئے تا کہ ان کے ناکردہ گناہوں کی خوشخبری ملتی۔ والسّلام

بنام صاحبزادہ غلام عسکری خان محمدی

(۷۰)

یہاں نواب (۱) اور جاٹ (۲) کی نجیب (۳) خاں سے صلح کا شور مچا ہوا ہے۔ اور دونوں طرف کے معتبر رازداروں سے جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اپنی مصلحت کی وجہ سے جاٹ راجہ بہادر سنگھ اور دلیر سنگھ کے توسط سے روہیلوں سے دوستی کرتا ہے اور نواب کا ذکر تو صرف برائے نام ہے۔ کیونکہ اس نے (نواب نے) خواہ واقعی بے سروسامانی کی وجہ سے اور خواہ کفایت شعاری کی وجہ سے لوگوں کو خود سے جدا کر دیا ہے اور نظروں میں ذلیل ہو گیا ہے۔ بدمعاملگی کی وجہ سے کسی کو نواب پر اعتماد نہیں رہا۔ اور دوسرے یہ کہ لوگ کیوں نواب کی طرف آئیں۔ وہ اپنے اغراض کو مقدم رکھتا ہے۔ آج کل کسی پر اعتماد نہیں ہے کہ عزیزوں کے خلاف کچھ لکھوں۔ اتنا بھی پریشان ہو کر لکھا ہے۔ شہر کے حال سے لے کر محل کی خبروں تک فقیر سے کچھ نہیں چھپا۔ اور جو کچھ حقیقت ہے فقیر تک پہنچ جاتی ہے۔ ہر چند میں نے کئی بار اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نواب جو کچھ کرنا چاہے مجھے بتا دے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ ورنہ میں ایسی بنیاد رکھتا کہ لوگ دیکھتے رہ جاتے۔ مشکل یہ ہے کہ نواب کے تمام مشورہ دینے والے لالچی اور خودغرض ہیں۔ اکثر نیچ قوم سے ہیں۔ اور جو شریفوں میں سے ہیں وہ منافق ہیں۔ اس تمام جھگڑے کی جڑ آقا کی بے اعتمادی ہے۔ کیونکہ نہ تو اس کی نیکی سے یقین کی حد تک اُمید ہے اور نہ اس کے شر سے کوئی خوف۔ ہم ظلم کی کہاں فریاد کریں۔ چونکہ تم آشنا اور آشنازادے ہو اس لیے یہ دل سوزی کی ورنہ مجھے دنیا اور اہلِ دنیا سے کیا کام۔ شہر کے درویش بھی نواب سے خوش نہیں ہیں۔ نواب نے جن کو بہت مال و دولت دی ہے وہ مخالفوں سے مل کر نواب کے دشمن ہو گئے ہیں اور جن درویشوں کو اس سے فائدہ نہیں پہنچا وہ کیوں خواہ مخواہ دل کو جلائیں اور کیوں اضطراب قلبی سے توجہ اور دعا کریں کہ قبول ہو۔ نواب ہر کافر اور مومن فقیر [سے] رجوع کرتا ہے۔ اور خود کو ایک یا دو کے دامن سے نہیں باندھتا کہ پھر بات اس فقیر کے ذمہ پڑے۔ لوگ اس کے عہد میں پریشانیاں اُٹھاتے ہیں۔ دیکھیے کیا ہو، خدا انصاف کرے۔ ظالموں پر قہر اور مظلوموں پر رحم کرے۔ والسّلام

حواشی بسلسلۂ مکتوب نمبر (۷۰)

از ڈاکٹر خلیق انجم

☆۱ نواب سے مُراد نواب عماد الملک ہے۔

☆۲ جاٹ سے مراد سورج مل جاٹ ہے۔

☆۳ نجیب خاں روہیلہ عمر خیل، یوسف زئی سے ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے آنولہ آیا تھا۔ اور نواب علی محمد خاں کی فوج میں ملازم ہو گیا۔ اگرچہ وہ بالکل ان پڑھ تھا لیکن خداداد ذہانت، اور خوش قسمتی نے اسے بہت جلد علی محمد خاں کی نظروں میں چڑھا دیا۔ بہت جلد وہ جمعدار ہو گیا۔ جب صفدر جنگ سے گھبرا کر مرہٹے کماؤں کی پہاڑیوں میں پناہ گزیں ہوئے۔ تو سعد اللہ خاں نے نجیب خاں کو کماؤں کی پہاڑیوں کی ایک چوکی پر پانچ [کذا] سپاہیوں کا انچارج مقرر کیا۔ کچھ ہی عرصے بعد نجیب خاں کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ اور اس نے ایک روہیلہ سردار دوندے خاں کی لڑکی سے شادی کر لی دوندے اس کی ترقی کا سبب بن گیا۔ دوندے خاں نے چاند پور، نگینہ، شیر کوٹ اور بجنور کے محلات کا عامل مقرر کر دیا۔ جب دہلی میں صفدر جنگ نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کی تو نجیب خاں اپنی فوج لے کر بادشاہ کی مدد کو آیا۔ صفدر جنگ کی طرف سورج مل جاٹ تھا۔ مرزا صاحب نے اس خط میں اسی واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ چار مہینے تک لڑائی جاری رہی مگر کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ آخر نجیب خاں نے بادشاہ سے مل کر صلح کر لی۔ اسے سہارنپور کی فوج داری دے دی گئی۔ صفدر جنگ اور سورج مل جاٹ اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے۔ نجیب خاں نے کوشش کر کے بہت جلد احمد شاہ ابدالی سے تعلقات قائم کر لیے۔ جس نے اس کی بہت مدد کی۔ جب دہلی پر حملے سے فارغ ہو کر واپس جانے لگا تو اس نے عماد الملک کو بادشاہ کا وزیر اور نجیب خاں کو میر بخشی مقرر کر دیا۔ اس وقت عماد الملک متھرا میں تھا۔ نجیب خاں دہلی پہنچ گیا۔ اور میر بخشی، دہلی کا فوجدار اور مختار ہو گیا۔ عماد الملک نے یہ حالات دیکھ کر مرہٹہ سردار ہالکر کو اپنے ساتھ

ملالیا اور دہلی پر حملہ آور ہوا۔ نجیب خاں لڑائی کی تاب نہ لاکر اپنے علاقے میں واپس چلا گیا۔ اور عماد الملک پھر دہلی کا ڈکٹیٹر ہوگیا، کچھ دن بعد ابدالی کے آنے کی پھر خبر آئی اور عماد الملک دہلی سے فرار ہوگیا۔ اب نجیب خاں کا زمانہ آچکا تھا۔ دس سال تک یہ بہادر سردار مغل حکومت کو دوبارہ زندہ کرنے میں سرگرداں رہا۔ کوئی طاقت ایسی نہیں تھی جو مغل حکومت کے خلاف ہو اور نجیب خاں نے اسے کچلنے کی کوشش نہ کی ہو۔ ۱۷۶۰ء سے لے کر ۱۷۷۰ء تک مغل حکومت کی تاریخ نجیب الدولہ کے کارناموں کی تاریخ ہے۔ اکتوبر ۱۷۷۰ء میں اس عظیم انسان کا انتقال ہوگیا۔ ملاحظہ ہو: نجیب الدولہ مرتبہ ومترجمہ شیخ عبدالرشید (انگریزی مغل حکومت کا زوال جلد دوم)۔

بنام صاحبزادہ غلام عسکری خان محمدی

(۷۱)

شاہ ابدالی نے پشاور میں قیام کیا ہے اور اپنے بڑے لڑکے تیمور مرزا کو بہت بڑی فوج کے ساتھ ممالک خراسان کے بندوبست کو رخصت کیا ہے۔ پنجاب اور ملتان دونوں ممالک میں آج کل نظم ونسق نہیں ہے (ابدالی) کو ان کی اصلاح کا خیال ہے۔ اور امکان غالب یہ ہے کہ اس کام کو اپنی فوجوں کے ذریعہ کرے۔ اور اگر اس کی ضرورت پڑی کہ خود سفر کرے تو وہ لاہور اور ملتان تک پہنچ جائے گا۔ آخر اس کا ملک ہے۔ وہ ہندوستان آنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس نے جدید فوج فراہم نہیں کی ہے۔ صرف قدیم فوج ساتھ ہے۔ اہلِ دہلی فرار کے عادی ہیں۔ بے اختیار ہو کر گھبرا جاتے ہیں۔ اور یہاں مزاحمت بہت ہے۔ یہی مناسب ہے کہ یہ فتنہ لاہور سے دہلی کا قصد نہ کرے۔ ہماری اور تمھاری آبرو ایک ہی ہے۔ کہیں بھاگ نہیں سکتے۔ ہم نے اس آیت پر عمل کیا ہے۔ فَفِرُّوا اِلَی اللہ (اللہ کی طرف بھاگو) فی الحال متعلقین کو بھرت پور لے جانا اچھا ہے۔ لیکن آیندہ کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ کیوں کہ آخر میں یہ فتنہ اس علاقہ میں جاتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مجھ کور سواد فقیر کو معتبر معتمدوں سے یہی معلوم ہوا ہے۔ ہم نواب کو خوب جانتے ہیں۔ پھر اس صورت میں شکر وشکایت کیا۔ لوگ اپنی عقل کے مطابق بات سمجھتے ہیں۔ کوئی ہمارے آثار دیکھ کر اندازہ لگاتا ہے کہ ہم نواب سے خوش ہیں۔ اور کوئی بعض حالات سے گمان کرتا ہے کہ ہم ناراض ہیں۔ حقیقت سے دونوں ہی غافل ہیں۔ فقیر تو آئینہ کی طرح ہے۔ جب نواب کسی بھی نیّت سے اس طرف ملتفت ہوتا ہے اس کا عکس اس آئینہ میں منعکس ہو جاتا ہے۔ اور جب کبھی وہ منہ چھپاتا ہے خواہ کسی ضرورت اور عذر کی وجہ سے کیوں نہ ہو تو پھر اس آئینہ میں کوئی صورت نظر نہیں آتی اور لوگ تو گفتگو میں معذور ہیں۔ آپ اس میزان کو یاد رکھیے انشاء اللہ اس کے بعد ہماری ہر حرکت اسی میزان کے مطابق پائیں گے۔ اگر نواب ہمارا سلیقہ چاہتا ہے اور ہماری سلامتِ عقل پر بھروسہ کرتا ہے اور اچھی اور بری باتوں میں ہم سے صلاح لیتا ہے۔ تو خلق اللہ کے

لیے قوی توجہ اور مفید تدبیر کو ہم کام میں لائیں گے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ وہاں عقلمندوں اور شریف لوگوں کی بات کا گزر نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ جو ہماری شان کے شایاں نہیں تھا وہ ہم نے نہیں کیا یعنی امور ملکی اور مالی پر توجہ نہیں کی۔ اتنا بھی اعزّہ کی خاطر ہم نے ان کلمات سے اپنی زبان کو آلودہ کیا ہے، جس سے شرمندہ ہیں۔ والسّلام

بنام غلام عسکری خان محمدی

(۸۹)

باعث تحریر یہ ہے کہ مولوی غلام حسین نام ایک فاضل جو اخوانِ حلقہ اور یارانِ قدیم میں ہیں۔ قصبہ تھانہ کے رہنے والے۔ فاروقی النسب، نجیب اور مہذب نجیب الدولہ کے ہاتھ بہ عنوانِ فضیلت ملازم ہیں۔ اس سے پہلے اپنی قوم میں (انھوں نے) شادی کی تھی لیکن ان کے ہاں لڑکا نہ ہوا اور بیوی کی موافقت بھی پسند نہیں آئی بلکہ سکونتِ وطن سے بھی خوش نہیں۔ فقیر کی صحبت پسند کی اور دہلی میں مستقل قیام کرلیا۔ اور دوسری شادی کا ارادہ کیا۔ بی بی امتہ المجید کے توسط سے میر فضل علی خاں کی بہن، بی بی فضل النساء تجویز ہوئی ہیں۔ میر فضل علی خاں کو اس امر سے مطلع کردیا گیا ہے، اب یہ شادی ان کی رضا یا عدم رضا پر منحصر ہے۔ حضرت محمد مبین اپنے والدین کی زیارت کے لیے فرخ آباد جانے والے ہوں گے۔ ان (والدین) ۱☆ کے دم کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور ان کی دلجوئی میں کوئی فروگذاشت نہیں کرنی چاہیے کہ فقیر کی رضا اسی میں ہے۔ وہ (والدین) ۲☆ کسی چیز کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ کے بھائی غلام حسن، احمد اللہ کے ساتھ جس آدمیت سے پیش آئے ہیں اسے تحریر کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ کیوں نہ ہو بزرگ زادے ہیں اور بزرگی حاصل کی ہے۔ امینہ کے مکتب کی شادی میرے حضور میں ہوئی۔ والسلام!

☆۱-۲ ''ان'' اور ''وہ'' کی ضمیر احقر کے ناقص خیال میں حضرت محمد مبین رحمۃ اللہ علیہ خلیفۂ حضرت میرزا مظہر جان جاناں شہید، کے لیے استعمال ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم احقر شاہ انجم بخاری عفی عنہ۔

بنام صاحبزادہ محمد احسان محمدی

(۷۲)

جو کچھ احوال وشہود کے بارے میں تم نے لکھا ہے کہ ہر ذرّہ میں ذاتِ خداوندی کا ظہور معلوم ہوتا ہے اور اسے تم نے توحید متعارف سمجھ لیا، یہ غلط ہے۔ جو توحید وحدتِ وجود ماننے والے لوگوں کے سامنے ہے وہ مرتبۂ صفات سے بالا نہیں ہے چاہے تم اسے بزعم خود توحیدِ ذات سمجھو اور چاہے کثرت میں ایک ہی وحدت کے ظہور سے انکار کرو۔ چنانچہ ہمارے پیر حضرت مجدّد الف ثانی نے ایک خط میں لکھا تھا کہ صوفی کمالاتِ نبوت سے بہرہ رکھتا ہے۔ تجلیِ ذات بغیر صفات کی آمیزش سے مشرف ہوتا ہے۔ اگر اس کو شہودِ توحید میسر ہو تو وہ دوسرا عالم ہے۔ خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمارے اور تمھارے ایسے ناکارہ لوگوں کو اس دولت سے مشرف کیا۔ لیکن اس سے بھی اصل چیز اپنی بندگی اور خدا کی معبودیت کا مشہود ہے جو شریعت ظاہری کے مطابق ہے اور انبیاء علیہم السلام کے مناسب ہے۔ والسّلام

بنام صاحبزادہ محمد احسان محمدی

(۷۳)

حافظ سرور خاں کو طریقے میں داخل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ تمھارا ہاتھ فقیر کا ہاتھ ہے۔ اور انھوں نے کسبِ طریقہ اور فقیروں کی صحبت میں رہنے کا ارادہ کیا ہے۔ خدا انھیں میسّر کرے۔ فقیر کا دل بھی اس عزیز کی طرف بہت کھنچتا ہے ظاہراً اچھی قسمت رکھتا ہے۔ اگرچہ تمھاری صحبت کا فیض ہی کافی ہے۔ جو کچھ تم نے اس عزیز کو سرکار احمد خاں کی قید سے آزاد کرانے کے لیے التماس کیا تھا اس سلسلے میں کئی بار دعا اور توجہ کا قصد کیا۔ ہر دفعہ یہ معلوم ہوا کہ جس کی قید میں وہ ہے اس کے حق میں اس کا محبوس ہونا مقدر ہو چکا ہے۔ دعا نہیں کرنی چاہیے۔ پتا نہیں اس میں کیا حکمت ہے۔ آخر میں ظاہر ہو جائے گا۔ اس عزیز کو اطمینان دلا دینا چاہیے:

بعدِ نومیدی بسے اُمید ہاست
در پسِ ظلمت بسے خورشید ہاست

فقیر کی دعا خانہ آباد پہنچا دیجیے۔ آپ کے اہلِ خانہ کا حال بتانا آپ کو پریشان کرنا ہے۔ اور اعزّہ و اقرباء کے حالات سے بے خبر رہنا گناہ ہے۔ غلام عسکری خان کی والدہ وغیرہ فاقہ کشی کی وجہ سے فرخ آباد جانے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ خدا حفظ و امان سے پہنچا دے۔ اور یہ (سفر) راست آئے گا کیونکہ ہر ایک کا رزق اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ والسّلام

بنام صاحبزادہ محمد احسان محمدی

(۷۴)

آپ بیوی بچوں کا غم نہ کیجیے خدا رزاق ہے۔ اخذِ طریقہ کے لیے روہیلوں کا اتنا ہجوم ہے کہ تمام دن توجہ دینے سے فرصت نہیں ملتی۔ طاقت ختم ہوگئی ہے۔ لیکن میں اسے سعادت سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر عبادت نہیں ہے۔ اس قوم میں عجیب وغریب آثار ظاہر ہوئے۔ ہم نے یہ سفر بالکل ٹھیک کیا۔ فقیر کے پہنچنے کی خبر سن کر یہ لوگ دور دراز علاقوں سے احرام بستہ آتے ہیں۔ یہ لوگ آدمیت عرضی سے کم واقف ہیں اور ان کے علماء کا علم بھی فقہ کی دو کتابوں سے زیادہ نہیں ہوتا۔

پھر بھی یہ سفر اس علاقہ کے لوگوں کے لیے مفید ہوا۔ سنبھل، امروہہ سے لے کر شاہجہان پور تک تمام منزلوں میں ٹولی ٹولی بنا کر ایک ایک گروہ نے قوم روہیلہ میں سے اکثر اور ہندوستانی لوگوں میں سے کمتر نے اخذِ طریقہ کیا ہے اور منور ومتاثر ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت ساتھ آتی ہے اور کسبِ مقامات کے لیے میرے ساتھ دلی جانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس علاقہ کے اکثر علماء اس طریقہ کی نسبت سے مشرّف ہوئے ہیں۔ اور ان لوگوں کے لیے جو دہلی جانے کی سکت نہیں رکھتے میں نے اس شہر میں میر مبین خاں کو اپنی جگہ چھوڑ دیا ہے۔ یہ اصلاحی مقامات سے گزر چکے ہیں اور اجازتِ مطلقہ پا چکے ہیں۔ اور ان کی توجہ بھی بہت مؤثر ہے۔ ان دنوں اتفاقاً اپنے شہر سے مجھ سے ملنے آئے تھے۔ لوگ اس بزرگ زادے کی صحبت سے بہت فیض اُٹھاتے ہیں۔ اور بہت لوگ رجوع کرتے ہیں۔ لیکن ایک آدمی کے بس کا کام نہیں کہ اس قافلے سے عہدہ برآ ہوسکے۔ میرا خیال ہے کہ تم کو بلالوں۔ بعض شہر تم کو اور میر مبین خاں کو تفویض کردوں۔ ہم میں طاقت نہیں رہی۔ بے طاقتی کے باوجود ہر روز بے شمار توجہ دی جاتی ہے۔ زہے سعادت، حافظ سرور خاں کو خدا توفیق دے کہ کچھ روز ہمارے ساتھ رہے۔ اس کی محبت نے ہم پر بہت حقوق ثابت کر دیے ہیں۔ وہ اس کا پھل اور نتیجہ بھی اُٹھائے۔ والسلام

اخلاق و آداب

کھانے پینے کے آداب

تالیف: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم: مولانا عبدالرحمٰن جامی

[زیر نظر تحریر ''آداب الصالحین'' مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے منتخب کر کے نذر قارئین کی جارہی ہے۔ اصل کتاب فارسی میں لکھی گئی تھی۔ اس کی افادیت کو دیکھتے ہوئے حضرت شاہ محمد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک تلمیذ خاص نواب مولانا قطب الدین خاں رحمۃ اللہ علیہ۔ نے اس کا اُردو ترجمہ کیا تھا۔ جس کا تاریخی نام ''ہادی النّاظرین'' رکھا تھا اور جابجا (فائدہ) کا عنوان قائم کر کے اس میں بعض ضروری مسائل کا اضافہ بھی فرمایا تھا۔ ایک عرصہ گزر جانے پر اب جب کہ زبان و بیان کی بہت کچھ تبدیلی کے باعث وہ اُردو ترجمہ غیر مانوس ہو چکا تھا تو جناب مولانا عبدالرحمٰن جامی صاحب نے عامۃ النّاس کے فائدے کے لیے قدیم ترجمے کی مشکلات کو مروجہ اور قدرے آسان زبان سے بدل دیا ہے۔ ترجمے کے ذیل میں کہیں کہیں قوسین میں جناب مترجم نے اضافہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ اُسوۃ الصّالحین کے نام سے دارالاشاعت کراچی سے چھپتا رہا ہے۔ ہم جناب مترجم کے شکریے کے ساتھ ہر خاص و عام کے نفع کی خاطر اس کے بعض ضروری حصے وقتاً فوقتاً شائع کرتے رہیں گے۔ خدا ہم سب کو ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ مدیر منتظم]

جان لو کہ اہلِ عقل اور اہلِ دانش کے نزدیک مقصودِ اعلیٰ اور مطلوبِ اعلیٰ حق تعالیٰ شانہٗ کا دیدار اور ان کی رضا کا حصول ہے دارِ آخرت میں۔ اور (اس دنیا میں) اس کا طریقہ تحصیل علم و عمل

ہے اور علم و عمل پر مواظبت اور دوام موقوف ہے صحت بدن پر۔ اور عادۃ اللہ یونہی جاری ہے کہ بدن کی صحت وسلامتی کا ذریعہ کھانا پینا ہے۔ (چونکہ طعام ذریعہ ہے حیواۃ کا) اس لیے بقدر حاجت خورد و نوش واجب ہے۔ یعنی نہ اتنا زیادہ کھاوے کہ حد سے گذر کر موجب نقصان ہو جاوے اور انسان ہو کر سرحد حیوان میں داخل ہو جاوے۔ اور نہ اتنا کم کھاوے کہ عبادت کی قوت بھی میسّر نہ ہو سکے:

نہ چنداں بخور کز دہانت برآید نہ چند انکہ از ضعف جانت برآید

(یعنی نہ اس قدر زیادہ کھالو کہ منہ سے نکلنے لگے اور نہ اس قدر کم ہی کھاؤ کہ ضعف کی وجہ سے جان ہی نکل جائے)

پس چاہیے کہ کھانے پینے میں بلکہ تمام ہی کاموں سے مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت ہو نہ صرف نفسانی خواہش کا بجالانا۔

اسی لیے علماء نے فرمایا ہے کہ اَلاَکُلُ مِنَ الدِّیْنِ یعنی کھانا بھی دین ہی کا کام ہے۔

(فائدہ) اس قدر کھانا فرض ہے جتنے میں کہ جان باقی رہے اور آدمی ہلاک نہ ہو جائے۔ چنانچہ اگر حلال کھانا پینا نہ ملے اور بھوک کی وجہ سے جان جانے کا اندشہ ہو تو اس صورت میں بقدر سدّ رمق کھانا اور پینا فرض ہے۔

(ادب) اتنی مقدار میں کھانا مستحب ہے جتنے میں نماز کھڑا ہو کر پڑھ سکے اور روزہ رکھنا اس پر آسان ہو جائے۔ اور کتاب منتقیٰ میں ہے کہ اس قدر کھانا فرض ہے کہ جو ہلاکت کو دفع کرے اور اس کے سبب نماز کھڑا ہو کر پڑھ سکے۔ اور زیادتی قوت کے لیے پیٹ بھر کر کھانا پینا مباح ہے۔ اور اس سے زیادہ کھانا حرام ہے۔ اور زیادہ وہ کہلائے گا کہ کھانے والے کو غالب گمان یہ ہو کہ اس سے میرا معدہ فاسد ہو جائے گا (یعنی سوءِ ہضم وغیرہ کی تکلیف ہو جائے گی) پس اتنا کھانا پینا حرام ہے۔ مگر دو صورتوں میں پُری شکم سے زیادہ کھانے کی اجازت ہے۔ ایک تو یہ کہ اس نیت سے کھاوے کہ اس کی وجہ سے کل کے روزہ میں قوت رہے گی۔ دوسرے یہ کہ اس لیے زیادہ کھا رہا ہے کہ اس کا مہمان شرم کی وجہ سے بھوکا نہ اُٹھ جائے۔ ان جیسے وجوہ سے زیادہ کھالینا بھی حرام نہیں ہے۔

(ادب) قلت طعام کی ایسی ریاضت کہ عبادت ہی سے ضعیف ہو جائے۔ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح سے بھوک کی ایسی حالت میں جس میں جان کا اندیشہ ہو اگر کوئی شخص مردار نہ کھائے اور مر جائے تو گنہگار ہوگا (اس لیے کہ یہ تقویٰ نہیں ہے کیونکہ حالت اضطرار میں مردار اس کے حق میں حرام ہی نہیں رہ جاتا۔ پس اس کو کھا کر جان نہ بچانا خودکشی کے مترادف ہے) بخلاف اس شخص کے جو کہ بیمار ہے اور اس نے دوا نہ کی اور مر گیا تو یہ گنہگار نہ ہوگا۔ (اس لیے کہ دوا سے شفا یقینی نہیں اس لیے شرعاً دوا کرنا واجب بھی نہیں ہے۔ پس ترک علاج گناہ نہیں اور کھانا کھانے سے بھوک کا دفع ہو جانا یقینی ہے اور جان بچانا فرض ہے۔ لہٰذا ترک طعام اضطرار میں بھی معصیت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم) یہ سب مسائل کتاب درمختار سے لکھے گئے ہیں۔

اب ہم کھانے کے آداب کو پانچ فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔

فصل اوّل:

(ان آداب کے بیان میں جو ہر شخص کے لیے ضروری ہیں اگرچہ وہ تنہا ہی کھائے)

(ادب) جان لو کہ سب سے پہلی چیز جو ہر انسان پر ضروری ہے وہ یہ کہ حلال طیب روزی کھائے اور مراد اس سے یہ ہے کہ وہ طعام اپنی ذات کے اعتبار سے حرام نہ ہو بلکہ شریعت کے موافق اور تقویٰ کے ساتھ حاصل کیا گیا ہو۔

(ادب) کھانا شروع کرنے سے پہلے اور ختم کرنے کے بعد ہاتھ دھوئے کہ یہ سنت بھی ہے اور صفائی کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اور کھانا اس نیت سے کھانا کہ اس کے ذریعہ طاعت کی قوت حاصل ہوگی۔ عبادت ہے۔ چنانچہ ہاتھ دھونا یہاں بمنزلہ وضو کے ہے شاید اسی لیے حدیث شریف میں اس موقع پر وضو ہی کا لفظ بھی اختیار فرمایا گیا ہے۔ فرمایا پیغمبر خدا ﷺ نے کہ اَلْوُضُوْءُ یَنْفِی الْفَقْرَ قبلَ طَعَامٍ وَ بَعْدَہٗ (احیا) یعنی کھانے سے پہلے اور بعد میں وضو کر لینا (یعنی ہاتھ دھونا) فقر و فاقہ کو دور کرتا ہے۔ (ایک اور روایت میں آتا ہے کہ برکۃ الطعام الوضوء قبلہ والوضوء بعدہٗ یعنی کھانے سے قبل اور بعد میں ہاتھ دھو لینے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے (مجمع) حدیث

میں وضو سے مراد ہاتھ کا دھونا ہے اور اگر کوئی نماز والا ہی وضو کرے تو بہتر ہی ہے۔

(فائدہ) ایک بزرگ فرماتے تھے کہ میرے اوپر تین سو روپیہ کا قرض تھا اور بوجہ مفلسی کے کوئی صورت اس کے ادائیگی کی سمجھ میں نہ آتی تھی کہ اتفاقاً ایک دن میں نے (ایک عالم کے) درس میں یہ سنا کہ جو شخص کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں سنّت سمجھ کر ہاتھ دھولیا کرے تو اس کا ادنیٰ فائدہ یہ ہوگا کہ چند ہی دنوں میں اس کا قرضہ ادا ہو جائے گا چنانچہ میں نے یہ عمل شروع کر دیا ابھی چند ہی روز کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وعنایت سے میرے ذمہ ایک کوڑی بھی کسی کی باقی نہیں رہ گئی اور میں الحمد للہ ایک سنّت نبوی پر عمل کی برکت سے باردین سے سبکدوش ہو گیا۔ باقی مدار اس امر کا خلوص نیت اور اعتقاد صحیح پر ہے اور جس کو یہی حاصل نہیں کہ تو کسی چیز سے اس کو نفع نہیں ہوگا۔ حتیٰ کہ بدون خلوص کے کلمہ پڑھنا بھی مناف نہیں۔ (انسان منافق کہلائے گا)۔

(ادب) بہتر یہ ہے کہ کھانا دستر خوان پر رکھ کر کھائے کہ سفرہ (کالفظ ہی) سفر آخرت اور توشہ آخرت کی یاد دلاتا ہے اور اگر سینی وغیرہ میں رکھ کر کھائیں تو وہ بھی حرام مکروہ نہیں بلکہ جائز ہے۔ مگر دستر خوان پر کھانا سنّت کے مطابق ہے۔

(فائدہ) بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا دستر خوان چمڑہ کا تھا۔ چنانچہ سُفرہ اصل میں چمڑے ہی کے دستر خوان کو کہتے ہیں۔

(ادب) کھانے کے لیے دوزانو یا اکڑو بیٹھے یا بائیں پیر پر بیٹھے اور داہنا پاؤں کھڑا رکھے۔ بہرحال جس ہیئت پر بھی بیٹھے، بہتر یہ ہے کہ آخیر تک اسی وضع پر بیٹھا رہے (مطلب یہ کہ بار بار نشست نہ بدلے کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ ضرورت اس سے مستثنیٰ ہے۔

(ادب) ٹیک اور تکیہ لگا کر کھانا نہ کھاوے کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ مبارکہ کے خلاف ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میں ایک بندہ اور غلام ہوں اسی طرح سے کھانا پسند کرتا ہوں۔ جیسے کوئی غلام کھایا کرتا ہے اور اسی طرح سے بیٹھتا ہوں جیسے غلام بیٹھا کرتے ہیں۔ یہی حکم

پانی پینے کا بھی ہے کہ تکیہ لگا کر مکروہ ہے۔

(فائدہ) صاحب کتاب السفر السعادۃ نے فرمایا کہ تکیہ لگانے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنا کوئی پہلو سر ٹیک دے۔ دوسرے یہ کہ چارزانو بیٹھے۔ تیسرے یہ کہ ایک ہاتھ زمین پر ٹیک کر بیٹھے اور دوسرے ہاتھ سے کھائے یہ تینوں قسمیں منع ہیں انتہیٰ۔

اور بعض علماء نے ایک چوتھی قسم اور بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ تکیہ دیوار یا اسی کے مانند کسی اور چیز سے پیٹھ لگا کر بیٹھے۔ اور سنت یہ ہے کہ کھانے میں ذرا جھک کر (تواضع کے ساتھ) اور کھانے کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھے اکثر علماء نے تکیہ لگانے کی تفسیر یہ بیان فرمائی ہے کہ ایک جانب کو جھک کر اس کے بل بیٹھے اور یہ اس لیے مکروہ ہے کہ اس طرح سے کھانا پانی سب رگوں میں سہولت کے ساتھ نہیں پہنچتا اور ہضم کے لیے بھی مضر ہے۔ اسی لیے علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب عمل "الیوم واللیلۃ" میں لکھا ہے کہ تکیہ لگا کر نہ کھاوے اور نہ منہ کے بل گر کر کھائے اور نہ کھڑے ہو کر کھائے بلکہ یا تو دوزانو بیٹھ کر کھائے یا بصورت اقعاء بیٹھے یعنی سرین (چوتڑ کے بل) بیٹھے۔ اور دونوں گھٹنے کھڑے کرلے۔ جس طرح کہ کتا بیٹھتا ہے۔ اور یا دونوں پاؤں پر بیٹھے جسے اکڑو بیٹھنا کہتے ہیں یا بائیں پیر پر بیٹھے اور داہنا زانو کھڑا کرلے شیخ عبدالحق دہلویؒ نے مشکوٰۃ کی شرح میں یہی لکھا ہے (اور ایک ادب یہ ہے کہ) کھانا پیٹ بھر کر نہ کھاوے کہ ایسا کھانا عبادت سے روک دیتا ہے (اور کسل پیدا کر دیتا ہے یعنی اس کے بعد سونے کو جی چاہتا ہے) بلکہ معدے کے تین حصے کرے۔ ایک کھانے کے لیے ایک پانی کے لیے اور ایک حصہ سانس کے لیے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں شکم سیر ہو کر کوئی مسلمان کھانا نہیں کھاتا تھا۔

گلستان میں شیخ سعدی نے ایک حکایت بیان کی ہے کہ کسی عجمی بادشاہ نے ایک حاذق طبیب کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ چنانچہ وہ ایک سال کامل عرب میں رہا مگر کوئی مریض اس کے پاس علاج کے لیے نہ آیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لوگوں کی بے توجہی کی شکایت کی کہ مجھے یہاں آپ حضرات کی خدمت کے لیے بھیجا گیا ہے لیکن اتنی مدت گذری کوئی شخص میری جانب رجوع ہی نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ لوگوں کے عدم

التفات کا سبب کچھ تم سے نفرت نہیں ہے بلکہ اس جماعت کا دستور یہ ہے کہ جب تک اشتہاء کامل نہیں ہوتی کھانا نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو قدرے اشتہا باقی رہنے ہی پر اُٹھ جاتے ہیں۔ یہ سن کر اس حکیم نے کہا کہ اچھا ان لوگوں کی صحت کا یہ راز ہے۔ پھر تو میری یہاں ضرورت ہی نہیں ہے یہ کہا سلام کیا اور اپنے وطن واپس چلا گیا۔

(اور اب ہمارا وہی حال ہو گیا ہے جیسا کہ ایک مسخرہ کہتا تھا کہ ہم اپنے معدے کے تینوں حصّوں کو کھانے ہی سے بھریں گے۔ ایک ثلث تو اس کا حق ہی ہے، دوسرا حصّہ پانی کا ہے اس کو بھی کھانے ہی سے بھریں گے، رہا پانی تو وہ اپنی جگہ خود بنالے گا۔ اب رہا تیسرا حصّہ جو سانس کا ہے تو ہم اس کو بھی کھانے ہی سے پر کریں گے اور سانس کی ہم کو پروا نہیں وہ آئے یا نہ آئے)۔

(فائدہ) مومن کی شان یہ ہے کہ صبر و قناعت اور زہد و ریاضت اختیار کرے اور قدر حاجت پر اکتفا کرے اور اپنے معدہ کو قدرے خالی ہی رکھے کہ یہ باعث نورانیت اور سبب صفائی باطن بنتا ہے۔ نیز شب بیداری کے لیے بھی معین ہے۔ روایت میں ہے کہ ایک فقیر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے پاس آیا اور کھانا کچھ مقدار میں زیادہ کھایا آپ نے فرمایا کہ اچھا اس کو میرے پاس نہ لانا۔ علماء نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس صفت میں اس سے مشابہت کفار کی ظاہر ہوئی اور جو کافروں کی مشابہت اختیار کریں اس کی صحبت سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(ادب) بھوک سے کم ہی کھانا ہر زمانہ میں عقلاء، اہل ہمت اور ارباب باطن کے نزدیک محمود رہا ہے اور زیادہ کھانے کو ہمیشہ ناپسند کیا گیا ہے لیکن آدمی اتنا بھوکا بھی نہ رہے کہ بدن میں ضعف اور قویٰ میں اختلال پیدا ہو جانے کے سبب سے کسی کام ہی کا نہ رہے کہ یہ منع ہے اور حکمت کے خلاف ہے۔ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاریؒ نے ایسا ہی لکھا ہے۔

(ایک ادب یہ ہے کہ) جو کھانا میسّر آئے اور وقت پر موجود ہو اس کو کھالے عمدہ اور لذیذ کھانوں کا تکلّف نہ کرے۔ اگر کسی وقت روکھی روٹی ہی نصیب ہوئی ہو تو صبر و شکر کے ساتھ کھالے، دال سالن کا انتظار نہ کرے۔ اگر عین نماز کے وقت کھانا تیار ہوا تو وقت میں اگر وسعت

ہوتو پہلے کھانے سے فارغ ہوجائے جب کہ یہ اندیشہ ہو کہ کھانا مؤخر کرنے میں ٹھنڈا اور بے لطف ہوجائے گا یا تلف ہوجائے گا یا بھوک بہت زور کی لگی ہو۔ (سبحان اللہ شریعت میں کس قدر رعایت ہے) اور کوشش اس امر کی کرے کہ بہت سے آدمی ایک ساتھ کھانا کھائیں کہ اس طرح سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کبھی تنہا کھانا نہیں نوش فرماتے تھے۔

(ایک ادب یہ ہے کہ) کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کہے اور دوسرے لقمہ میں بسم اللہ الرحمٰن کہے اور تیسرے لقمہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے اور اگر ہر لقمہ پر بسم اللہ کہے تو بہتر ہے۔ اور کھانا داہنے ہاتھ سے کھائے، حدیث میں آتا ہے کہ رسوؒل اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص تھا جس کا داہنا ہاتھ شل ہو کر بغل میں چمٹ گیا تھا ایک دن رسول اللہ ﷺ کے سامنے وہ بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا آپ نے فرمایا داہنے ہاتھ سے کھاؤ اس نے امتثال حکم کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا داہنا ہاتھ بالکل صحیح وسالم ہوگیا۔ (ادب) کھانے کی ابتداء اور اس کی انتہا نمک سے کرے۔ امیر المومنین حضرت علیؓ سے ایسا ہی منقول ہے۔ نوالہ چھوٹا لے اور چبانے میں مبالغہ کرے اور جب تک منہ کا لقمہ نگل نہ لے دوسرے نوالہ کے لیے ہاتھ نہ بڑھائے۔ کھانے میں عیب نہ لگائے اگر پسند نہ ہو نہ کھائے اور اگر کسی کی خاطر منظور ہو تو (باوجود پسند نہ ہونے کے) تھوڑا سا کھالے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی طریقہ تھا۔

(ادب) کھانا اپنے سامنے سے کھائے۔ رکابی کے بیچ سے نہ کھائے ہاں اگر میوہ (اور پھل) ہو تو جس طرف سے جی چاہے کھائے۔ روٹی کو چھری سے نہ کاٹے۔ اور پکے ہوئے گوشت کو چھری سے کاٹنے کی ممانعت بھی آئی ہے اور اجازت بھی وارد ہے بہتر یہ ہے کہ ہاتھ سے نوچ کر کھائے۔

(فائدہ) گوشت کو چھری سے کاٹنے کے متعلق اجازت اور ممانعت دونوں کی روایتیں جو آئی ہیں تو علماء نے ان میں تطبیق یوں دی ہے کہ منع بصورت عدم حاجت کے ہے اور اجازت بوقتِ ضرورت کے ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے جس موقع پر چھری استعمال فرمائی وہ گوشت سخت تھا،

بدون چھری کے اس کے ٹکڑے کرنے دشوار تھے اور اگر گوشت گلا ہوا اور ہاتھ سے کھایا جاسکتا ہو اس وقت چھری سے کاٹ کر کھانے میں چونکہ بعض کفار کی مشابہت ہے اس لیے مکروہ ہے۔

(ادب) کھانے کو عظمت اور احترام کے ساتھ رکھے اور جلد ٹھنڈا کرنے کے لیے اس میں پھونک نہ مارے کہ اس سے بے صبری معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ صبر کرے یہاں تک کہ ٹھنڈا ہو جائے تب کھائے۔

(ادب) میوہ میں طاق اٹھاوے یعنی تین یا پانچ کم وبیش یا جتنا بھی ایک دفعہ ہاتھ میں آجائے (غرض جیسا موقع ہو) اور کھجوروں کے ساتھ (اسی برتن میں) گٹھلیاں نہ جمع کرے اور نہ ہاتھ میں جمع کرے (اور نہ انگلیوں کے ذریعہ منہ سے نکالے) بلکہ منہ میں سے اپنی ہتھیلی پر لے کر زمین پر پھینک دے۔

(ادب) درمیان کھانے کے زیادہ پانی نہ پیئے۔ ہاں اگر پیاس ہی زور کی لگی ہو یا لقمہ گلے میں اٹک جائے تو اس کے لیے بقدر ضرورت پانی پی لے کہ یہ معدہ کے لیے نافع ہے۔ اور پانی پیتے وقت گلاس وغیرہ کو داہنے ہاتھ میں لے اور بسم اللہ کہہ کر ٹھہر ٹھہر کر پانی پیے۔ اور پانی لیٹ کر نہ پیئے۔ اور بہتر تو یہی ہے کہ کھڑے ہو کر بھی نہ پیئے لیکن اگر کبھی پی لیا جائے تو خیر کچھ حرج بھی نہیں ہے۔ روایت میں ایسا بھی آیا ہے۔

(فائدہ) کھڑے ہو کر پانی پینا خلفائے اربعہؓ سے ثابت ہے اور حدیثوں میں اس کی ممانعت جو آئی ہے وہ نہی تنزیہی ہے اور بعض طبی ضرر کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے شفقتہً اس سے منع فرمایا ہے زمزم کا پانی اور وضو کے بعد کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیئے۔ پانی پینے سے پہلے پانی کو دیکھ لے کچھ پڑا نہ ہو۔ بسم اللہ کہہ کر پیئے اور ختم پر الحمد للہ کہے اور تین سانس میں پانی پیئے۔

(فائدہ) بہتر یہ ہے کہ پانی پینے میں ہر سانس کی ابتدا بسم اللہ سے کرے اور ختم پر الحمد للہ کہے۔ اور احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ پہلی سانس میں الحمد للہ کہے اور دوسری میں الحمد للہ رب العالمین اور تیسری میں الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن کہے اور بعد فراغت کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا

کرے کیونکہ پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخر میں یہ دعا پڑھتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَهُ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ یَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا یعنی تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں کہ جس نے اس پانی کو اپنی رحمت سے شیریں اور مزیدار بنایا۔ اور ہمارے گناہوں کے سبب اس کو نمکین اور شور نہیں کیا۔

(ادب) اگر مجلس میں پانی کا (یا کسی پینے کی چیز کا) دور چلے تو داہنی جانب سے اس کی ابتداء ہونی چاہیے۔ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار دودھ نوش فرما رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بائیں جانب تھے اور داہنی جانب ایک اعرابی (بدّو) تھا اور اس کے بازو میں حضرت عمرؓ تھے، رسول اللہ ﷺ نے دودھ نوش فرمایا اور اس کے بعد اس اعرابی کو دے دیا اور فرمایا الایمن فالایمن یعنی پہلے داہنی جانب والے کا حق ہے اس کے بعد جو اس کے داہنے جانب ہو۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد انگلیوں کو چاٹ لے اور رکابی پلیٹ وغیرہ بھی خوب اچھی طرح سے صاف کرے۔ اور دسترخوان پر گرے ہوئے ریزوں کو بھی چن کر کھا جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان کے کھانے میں برکت ہے۔

(ادب) بچے ہوئے ٹکڑوں کو سالن کی رکابی میں نہ ڈالے (کہ اس سے دوسرے کھانے والوں کو تکلف ہوگا) خلال کرے اور خلال کرنے سے جو ٹکڑے خلال کے ساتھ نکلیں ان کو پھینک دے اور جو ریزے زبان کے ذریعہ دانتوں سے نکلے ہوں ان کو نگل جائے۔ پھر خلال کے بعد خوب اچھی طرح سے کلّی کرے۔ اور اگر مٹی (یا صابن) وغیرہ سے بھی ہاتھ دھوئے تو جائز ہے (اگر ہو سکے تو) دانت زبان اور تالو وغیرہ کو منجن سے صاف کرے اور لب بھی دھوئے اور اگر ہاتھ منہ کو رومال سے پوچھے تو جائز ہے بشرطیکہ نیت تکبر نہ ہو بلکہ صرف صفائی مقصود ہو۔ اسی طرح سے وضو کے بعد بھی عضو کو کپڑے سے پوچھنے میں علماء سے اختلاف منقول ہے۔ بعض حضرات اپنے دامن سے پونچھتے تھے اور بعض رومال سے اور مدار نیّت پر ہے (یعنی پونچھنے کی گنجائش ہے لیکن

اس میں بہت زیادہ مبالغہ نہ کرے)

(ادب) اور سب کھانے سے فارغ ہو کر شکر ادا کرے اور یہ دعا پڑھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہم کو کھلایا پلایا اور مومنین کے زمرہ میں سے ہم کو بنایا (اور بعض روایتوں میں یہ دعا یوں آئی ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ یعنی من کا لفظ نہیں ہے اور مومنین کی جگہ مسلمین کا لفظ ہے اور یہی مشہور ہے۔ واللہ اعلم

اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ لایلاف پڑھے اور وہ دعائیں مانگے جن میں شکر نعمت کا مضمون ہے۔ (کذا قال الغزالیؒ) [باقی آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ]

نام کتاب:	ارغام الفجرۃ فی قیام البررۃ یعنی میلاد و قیام کا اثبات
نام مصنّف:	بلبل ہند حضرت علامہ مفتی محمد رجب علی قادری خلیفہ مفتی اعظم ہند قدس سرہ
عرض حال:	محمود ملت حضرت علامہ الحاج محمد محمود رضا قادری، ام ظلہ العالی۔
تعلیق و تقدیم:	حضرت مولانا مفتی محمد ابوالحسن قادری مصباح جامعہ امجدیہ گھوسی۔
تقریظ جلیل:	حضرت علامہ تحسین رضا خاں مدظلہ العالی بریلی شریف۔
تقریظ جمیل:	حضرت علامہ مفتی محمود اختر قادری سنی دار العلوم محمدیہ ممبئی۔
ناشر:	المجمع الرجبی محلہ گھوسی ٹولہ، نانپارہ۔
سن اشاعت:	۱۴۲۳ھ۔
صفحات:	۶۴

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی

مرج البحرین ـــــــ ایک تعارف

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح وسیرت پر اہلِ علم نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن افسوس ہے کہ ان کے علمی اور تجدیدی کارناموں پر روشنی نہیں ڈالی گئی ہے اور اس حیثیت سے ان کی سیرت کا یہ باب ابھی تشنۂ تکمیل ہے۔ ان کے علمی اور تجدیدی کارناموں میں سے تصوّف کا علمی اور عملی پہلو بھی ہے۔

شیخ موصوف طبعاً صوفی تھے۔ تصوّف ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔ ان کی زندگی کا بڑا قیمتی حصہ اس کی تحصیل میں گزرا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کی کوئی کتاب اور کوئی رسالہ تصوّف کی چاشنی سے خالی نہیں ہے۔ تصوّف کے عملی پہلو سے ان کی زندگی کا جائزہ لیں تو سرتاپا تصوّف کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نظر آتی ہے اور علمی اعتبار سے ان کا نظریۂ تصوّف معلوم کرنا چاہیں تو ''مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین'' (۱) اور تحصیل التعرف فی الفقہ والتصوّف (۲) پڑھیں، حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ ☆

---

(۱) یہ کتاب فارسی میں ہے اس کا اُردو میں ترجمہ چالیس پچاس سال پہلے شائع ہوا تھا وہ ایک زمانہ سے نایاب ہے اسی وجہ سے اس کا ازسرِ نو اُردو ترجمہ کرا کر متن کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔

(۲) یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور ضخیم ہے اس کا ایک روٹوگراف نسخہ میرے پاس بھی ہے۔ یہ کتاب اس موضوع پر شیخ کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ اس کے نسخے رضا لائبریری رامپور، کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن، اور خدا بخش لائبریری پٹنہ میں بھی نہیں ہیں۔ اس کو بھی شائع کرنے کی ضرورت ہے، یہ کام محکمۂ اوقاف کو کرنا چاہیے۔ [☆ الحمد للہ اس معرکۃ الآرا تصنیف کا اُردو ترجمہ لاہور سے ''تعارف فقہ وتصوف

مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین، قواعد الطریقہ (۱) فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ مصنفہ شیخ شہاب الدین ابو العباس احمد برنسی فارسی مالکی معروف بشیخ زرّوق المتوفی ۸۸۹ھ کی نہایت مفید و مختصر تلخیص ہی نہیں بلکہ اس میں فن تصوّف کی وہ اہم باتیں بھی جو شیخ محدث نے ''المکاتیب والرسائل الٰی ارباب الکمال والفضائل'' میں اپنے شیوخ طریقت کے حوالہ سے جا بجا نقل کی ہیں ایک خاص ترتیب اور وضاحت سے بیان کردی ہیں۔ اس سے شیخ محدث کے نظریۂ تصوف ہی کی نہیں بلکہ شیخ عبد الوہاب متقی اور شیخ علی متقی برہانپوری ثم مکی کے نظریۂ تصوّف کا بھی سراغ آسانی لگایا جاسکتا ہے کیوں کہ شیخ محدث انھی کے علمی اور عملی تصوّف کے داعی و ترجمان اور انھی کی تعلیمات کے پیرو اور پابند تھے بلکہ نظر غائر سے اگر دیکھیں تو مرج البحرین شیخ عبد الوہاب متقی کی وصیتوں کی ترجمان اور ان کے مجمل بیانات کی تفصیل اور ان کی تعلیماتِ تصوّف کا نظریاتی خاکہ ہے جس کا

کے نام سے شایع ہوگیا۔ ترجے کا سہرا شرف اہل سنّت، حضرت علامہ محمد عبد الحکیم صاحب شرف قادری مدظلہ، کے سر جاتا ہے۔ ابتدائیہ میں آپ نے یہ خوشخبری بھی دی ہے کہ جناب حافظ محمد اصغر اسعد، پروفیسر سول لائن کالج، ملتان، اس کتاب پر پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے تحقیقی مقالہ لکھ رہے ہیں۔ مدیر]۔

(۱) قواعد الطریقہ عربی میں ہے اور ابھی تک [یہ تحریر ۲ر ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ کی ہے۔ مدیر] زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہے۔ شیخ عبد الوہاب متقی نے قواعد الطریقہ شیخ محدث کو سبقاً سبقاً پڑھائی تھی۔ موصوف کا بیان ہے کہ:

واقرأنی فی ذالک کتاب سیدے احمد بن زروق المسمے بقواعد الطریقۃ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ وھو کتاب جلی، عجیب، جامع بین طریقۃ الفقہ والتصوّف والعلم والحال لاینفع بہ الافقیہ محب مشرف علی الاحوال وصوفی محقق مقید بالاعمال ولاینتفع بہ فقیہ متعسف عنید ولاصوفی متعسف مفرط بعید یحفظ کلا الجانبین و تجمع کلا الطریقین ولقد شرح اکثر مقاصدہ ھذا الفقیر و ترجمہ بالفارسیۃ فی رسالۃ مسماۃ بمرج البحرین فی الجمع بین الطریقین۔

(یعنی: اسی سلسلہ میں موصوف نے مجھے سیّدی احمد بن زروق کی کتاب جس کا نام قواعد الطریقۃ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ ہے پڑھائی تھی، یہ بڑی عجیب کتاب ہے، طریقہ فقہ و تصوف اور علم و حال کی جامع ہے۔ اس کتاب سے وہی فقیہ استفادہ کرسکتا ہے جو تصوّف کا دلدادہ اور احوال کا نگراں ہو اور وہ صوفی جو محقق ہو اور اعمال کا پابند ہو، سرکش اور بے راہ رو فقیہ، کج رو اور غلو کرنے والا اور حق سے دور رہنے والا صوفی اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا، یہ دونوں جہت (فقہ و تصوّف) کی محافظ اور دونوں طریقوں کی جامع ہے۔ اس کتاب کے اکثر و بیشتر مقاصد کی شرح اس فقیر نے کی ہے اور اس کا ترجمہ بھی فارسی رسالہ میں کیا ہے۔ جس کا نام مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین ہے)۔

تذکرہ شیخ موصوف نے اپنے رسالہ 'ذکر الاحوال والاقوال منبھة علی رعایة طریق الاستقامة والاعتدال میں نہایت تفصیل سے کیا ہے۔ یہ رسالہ المکاتیب والرسائل کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شیخ علی متقی کی تعلیمات نے شیخ موصوف کی علمی و عملی زندگی میں کیا انقلاب کیا اور ان کے علمی افکار میں کس قسم کی تبدیلی اور اصلاح ہوئی۔ ان کے نظریۂ تصوّف کا مرکزی نقطہ کیا تھا۔ زندگی کے کن شعبوں کی اصلاح کی طرف ان کی توجہ زیادہ تر مرکوز رہی، انھوں نے کس قسم کے علما کو قابلِ اعتبار اور لائقِ اعتماد سمجھا اور ان کے کلام سے کس قسم کی باتوں کا انتخاب کیا اور کن علماء کی کتابوں کے مطالعہ سے گریز کیا اور کس قسم کے کلام سے استدلال میں پہلو تہی کی، اور ان کی تصنیفات و تالیفات کا افادی پہلو کیا ہے۔

مذکورۂ بالا بیانات کی روشنی میں مرج البحرین کی افادیت و اہمیت کا صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے نیز یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کتاب گیارہویں صدی ہجری کے اوائل کی تالیفات سے ہے۔

مرج البحرین کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ مطبوعہ کتاب کامل نہیں ہے، شیخ محدث آخر کتاب میں رقم طراز ہیں: "ایں کلمہ امنا بما جاء عن اللہ ۰۰۰ وتفاصیل آں در رسالہ کہ تالی ایں مقالہ گردد بیان کنیم"۔

افسوس ہے اس کتاب کے کسی کامل نسخے کا مجھے کہیں سراغ نہیں لگ سکا بلکہ جو مخطوطے اس کتاب کے میری نظر سے گزرے ہیں وہ بھی مطبوعہ نسخے سے زیادہ کامل نہیں ہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عقائد پر جو رسالہ تکمیل الایمان شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ سے یادگار ہے وہ اس سلسلے کی دوسری کڑی ہے۔

گزارشِ مدیر

["مرج البحرین" کا اُردو ترجمہ مع فارسی متن کراچی سے اپریل ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ ثناء الحق صدیقی ایم۔ اے (علیگ) نے کیا تھا۔ اس پر ان کے بعض ضروری حواشی بھی ہیں۔

ڈاکٹر مولانا عبدالحلیم چشتی صاحب نے اس پر مختصر مگر جامع مقدمہ تحریر کیا تھا۔ جسے اس کی افادیت کے پیشِ نظر ہم نے "قندِ مکرر" کے طور پر شائع کیا ہے۔ چونکہ اس کتاب کا ترجمہ اب مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی مکرر اشاعت نہ صرف ایک علمی خدمت ہوگی بلکہ آج کی ایک اہم دینی ضرورت بھی پوری ہو سکے گی۔ ـ مدیر]

تعارف فقہ و تصوّف

سید عبدالرحمٰن بخاری

ریسرچ آفیسر قائداعظم لائبریری، لاہور

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی حبیبه سید المرسلین وعلی آله وصحبه أجمعین ومن تبعهم باحسان إلی یوم الدین أما بعد :۔

آفاقیت خلاق عالم جل مجدہ کی شان ہے اور مخلوق میں اُس نے صرف اپنے محبوب پاک سید کائنات ﷺ کو اس امتیاز سے نوازا ہے۔ حضور فخر دو عالم ﷺ کی صرف نبوت ہی آفاقی نہیں، سیرت مطہرہ بھی آفاقی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ آفاقیت آپ ﷺ کی ذات مقدسہ کا خاصہ ہی نہیں فیضان بھی ہے۔ جس طرح آنحضرت ﷺ کی ذات مقدسہ تکوین اور تشریع دونوں دائروں پر حاوی ہے اسی طرح آپ ﷺ کی شان آفاقیت کا ظہور بھی دونوں دائروں میں یکساں ہوا ہے تکوین میں میرے آقا ﷺ کی شان آفاقیت "ورفعنا لك ذكرك" کے الوہی اہتمام اور صدیوں پر محیط "تذکار سیرت" کے تاریخی مشاہدہ کی سند رکھتی ہے اور تشریع میں اسکی نمود "کعبہ و اسلام و قرآں" سب میں آشکار ہے۔ بجا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سب پیغمبروں کا دین "اسلام" ہی تھا، مہر ختم نبوت نے انبیاء سابقین کے ساتھ ساتھ ان کے دین کی بساط بھی لپیٹ دی اس لئے اب اسلام صرف اور صرف "دین مصطفیٰ ﷺ" کا نام ہے اور رہتی دنیا کوئی اور مذہب اپنے لئے "اسلام" کا عنوان اختیار نہیں کر سکتا یہ بھی میرے آقا و مولا رحمت عالم ﷺ کی شان آفاقیت کا

ایک کرشمہ اور تکوینی ظہور ہے۔

حضور سید کائنات ﷺ کا دین ابدی، آفاقی اور ہمہ گیر پیغام ہدایت ہے۔ مخلوق کے لئے حتمی، قطعی اور دائمی نظام رشد و فلاح۔ دھرتی کا ہر باسی اس کا مخاطب ہے اور نسل آدم کا ہر فرد اس کا مکلف۔ فضائے ہستی کا ہر گوشہ اس مہتاب سے ضوگیر ہے اور نوع انسانی کا ہر طبقہ اس چشمہ سے فیضیاب۔ یہ ایک جامع، مکمل اور فطری دین ہے ایسا ضابطۂ حیات جس میں حسی مادیت ایک برتر روحانیت کے تابع، عملی واقعیت ایک بلند نظر مقصدیت سے ہمکنار اور فکری وحدت ایک لامتناھی تنوع میں جلوہ گر ہے۔ ایسا ہمہ گیر نظریہ جو فکر و شعور، احساس و وجدان اور تہذیب و تمدن کے سب دائروں پر محیط ہے ایسا نظام ہدایت جو فرد کی تکمیل سے لیکر معاشرہ کی تعمیر تک، تزکیۂ روح سے لیکر سیاست ملی تک اور دنیوی سعادت سے لے کر اخروی فلاح تک زندگی کے ہر زاویے کو اجاگر کرتا ہے۔ ایسا دین جو کائنات ہستی کے تمام گوشوں کی تزئین اور انسانی فطرت کے سب تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے۔

دین اسلام کی جامعیت، ابدیت اور آفاقیت ایسے اٹل حقائق ہیں جو ایک طرف خود صاحب دین کی عظمتوں سے آشکار ہیں اور دوسری جانب علم کے ہر معیار، وقت کے ہر پیمانے اور تاریخ کی ہر کسوٹی سے ہمکنار۔ لیکن جب یہ حقائق خود زندگی اور عمل کے آئینے میں جلوہ گر ہوتے ہیں تو دین کا جو روپ سامنے آتا ہے وہ "فقہ اسلامی" کہلاتا ہے فقہ اسلامی افراد کی تعمیر شخصیت اور حیات اجتماعیہ کے تمام شعبوں کی صورت گری کے لئے بنیادی اقدار اور عملی ڈھانچہ فراہم کرتی ہے۔ فقہ اپنی جامعیت، تنوع اور دائرہ عمل کے لحاظ سے زندگی کی بیکراں وسعتوں سے ہمکنار، تہذیب و تمدن کے سب گوشوں پر حاوی اور اپنے اصول و فروع کی لامتناہی کثرت کے ساتھ کبھی خشک نہ ہونے والا ایسا چشمۂ علم و حکمت ہے جس کی نظیر اقوام عالم میں

کہیں ممکن نہیں۔

فقہ کی اساس وحی الٰہی، غایت فلاح انسانی اور منہاج دانش ایمانی ہے۔اس کا ظہور قرآن وسنت کا ثمر، تعامل امت کا جوہر اور ائمہ اجتہاد کی فکری کاوشوں کا حاصل ہے۔فقہ کو عام طور پر صرف قانون کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے مگر یہ بالکل غلط ہے لبدی و آفاقی دین کا ایک جزو ہونے کے ناطے فقہ اسلامی ہر لحاظ سے جامع، مکمل اور ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے انفرادی واجتماعی تمام شعبوں اور دینوی واخروی دونوں زاویوں پر یکساں محیط ہے۔ایک مغربی ناقد این۔ جے۔ کولسون کے الفاظ میں:

"In theory of course ,the shariah has always been a totalitarian and comprehensive code of conduct covering every aspect of human life." (1)

یعنی نظری طور پر شریعت اسلامیہ ہمیشہ سے ایک مکمل اور جامع ضابطۂ عمل ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں کا پوری طرح احاطہ کرتی ہے۔

خود فقہ اسلامی کے سب سے پہلے مدون، سراج امت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے اسکی تعریف:

"معرفة النفس مالها وما عليها"(۲)

کے الفاظ میں کر کے یہ بتادیا کہ دین ودنیا کے ہر سوال کا جواب اور انسانی زندگی کے ہر مسئلہ کا حل فقہ اسلامی کے دائرے میں آتا ہے۔اور اس لحاظ سے دیکھا جائے تو علم فقہ نہ صرف اسلام کی تشریعی فکر کا خزانہ بلکہ اسکی آفاقی تہذیب کا سرچشمہ قرار پاتا ہے۔ فقہ کے لغوی اطلاق ہی میں فکر وتدبر کی گہرائی اور جز رسی کا عنصر موجود ہے۔ہر معاملہ کی گہرائی میں اترنا اور ہر پیچیدہ گتھی کو سلجھانا فقہی بصیرت کا خاصہ ہے۔حق کی

1-Coulson : Conflicts and tensions in Islamic Jurisprudence, P-18

2-التھانوی: کشاف اصلاحات الفنون، ج 1، ص ۳۰، صدر الشریعہ: التوضیح، ج1، ص ۲۳

تلاش، اس کا راستہ اور منشاء الٰہی کی دریافت اسکی منزل ہے۔ تعمیر حیات، تنظیم معاشرہ اور استحکام تمدن اسکے عمرانی وظائف ہیں اور تہذیب نفس، تکمیل عبدیت اور فلاح آخرت اسکے روحانی مقاصد۔ یوں لگتا ہے وحی الٰہی ایک آبشار ہے جس سے فقہ کے لاکھوں کروڑوں احکام قطرہ قطرہ پھوٹ رہے ہیں اور زندگی کی روش روش مہکا رہے ہیں۔ سوچو تو اسکی گہرائی اور گیرائی حد ادراک سے باہر ہے اور دیکھو تو قواعد و ضوابط کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر بہہ رہا ہے۔ مگر کمال یہ ھے کہ رنگا رنگ احکام کی جامعیت ایک حسین وحدت کی لڑی میں پروئی ہوئی اور لامحدود ضابطوں کی وسعت ایک مربوط نظام میں ڈھلی ہوئی ہے سید امیر علی کے الفاظ میں:

"یہ ایک بلند نظر مقصدیت اور انتہائی معقول عملیت کا شاہکار توازن لئے ہوئے ہے (۱)"

فقہ کے استنادی اور اجتہادی مآخذ نے اسے بیک وقت ثبات و تغیر کا حسین امتزاج بخشا اور حرکت وارتقاء کے لامتناہی امکانات سے آراستہ کر دیا ہے۔ لہذا اب زمانہ جتنے بھی رنگ بدل لے اور زندگی ارتقاء کے راستے پر جتنی بھی منزلیں طے کر لے، فقہ اسلامی کی بیکراں وسعت انہیں اپنی آغوش میں سمو کر رہے گی اور یوں اسلام کی لبدی قانونی پوزیشن اور دینی سرمائے کے تحفظ، توسیع اور تفویض کا اہتمام فقہ اسلامی کے ذریعہ ہر عصر و عہد میں ہوتا رہے گا۔

فقہی سرمائے کے تحفظ، توسیع اور تفویض کا سانچہ وحی الٰہی کی روشنی میں وضع ہوا اور عقل سلیم کے اجتہادی عمل سے برتا گیا۔ یہ سانچہ فطرت کے اٹل احقائق پر استوار اور مشروعیت علیا (super legality) کے مقدس دینی و روحانی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ مشروعیت علیا کا رنگ خدا کی حاکمیت مطلقہ (Absolute Divine Sovereignty) سے پھوٹتا، رسول اللہ ﷺ کے اختیار تشریع

1-Ameer Ali , Syed : The Spirit of Islam , P-297

(Unity سے پنپتا اور امت کی وحدت فکر و عمل (power of legislation)
(of Faith and practice میں جھلکتا ہے۔ مشروعیت علیا کا یہ حقیقی رنگ جو
عبدیت، اطاعت اور وحدت سے عبارت ہے جب انسانی زندگی کے تمام انفرادی اور
اجتماعی دائروں میں پھیلتا ھے تو اسکی بدولت معاشرے میں فقہ اسلامی کا نفاذ بہت
آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے ریاست کے انتظامی جبر یا کسی اور قوت نافذہ کی
ضرورت نہیں رہتی بلکہ ہر شخص خود ہی اپنے داخلی محرکات کے تحت اسے اپنانے اور
اسکے تقاضوں پر عمل کرنے کی شعوری کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ فقہی احکام براہ
راست لوگوں کے دل و دماغ پر چھا جاتے اور ان کے نفس و خمیر کی گہرائیوں میں اتر
جاتے ہیں۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر قانون، اخلاق سے ہمکنار ہوتا، فقہی نظام
، تصوف میں ڈھلتا اور انسان طریقت کی وادیوں میں قدم رکھتا ہے، جبھی تو علامہ
اقبال علیہ الرحمہ نے تصوف کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ شریعت محمدیہ علیٰ
صاحبہا التحیہ کو اپنے باطن میں جذب کرنے اور اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس
کرنے کا نام تصوف ہے۔

پس طریقت چیست اے والا صفات؟
شرع را دیدن باعماق حیات

اس اعتبار سے تصوف محض اسلام کی اخلاقی اقدار کا مجموعہ نہیں رہتا بلکہ دین کے
پورے علمی، عملی اور تنظیمی ڈھانچے پر حاوی ہو جاتا ہے۔ تصوف کی روح اسلام کی
ظاہری و باطنی سب جہتوں، اسکے وجود کی تمام پرتوں اور اسکی تہذیب کے کل دائروں
میں سرایت کیے ہوئے ھے۔ دنیا کی ہر قوم کی طرح امت مسلمہ اپنی ایک جداگانہ
تمدن رکھتی ہے لیکن اس تمدن کا امتیاز وہ خصوصی دینی روح اور باطنی جوہر ہے جو اسکے
قانونی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی ہر نظام میں جاری و ساری ہے۔ اسلام کا عقلی و علمی

اظہار ہو یا سماجی و معاشرتی نظم، بہر آئینہ روحانیت ہی سے اسکے تانے بانے اور تار و پود بنے ہیں اور روحانیت ہی کا اصطلاحی نام تصوف ہے - یوں تصوف اسلامی شریعت سے الگ کسی چیز کا نام نہیں بلکہ اس کا ایک اھم اور بنیادی جزو ہے - قانون کو اخلاق میں پرونے، علم کو حکمت میں بدلنے، ظاہر کو باطن میں ڈھالنے اور عمل کو جذبوں سے ہمکنار کرنے والا جزو، تصوف نام ہے نہ رسم - یہ تو ایک حقیقت ہے - محبت الٰہی، اتباع سنت اور حسن اخلاق کی شیرازہ بندی - تصوف جمود نہیں تحریک ہے - روحانیت، فلاح آخرت اور خدمت خلق کی تحریک - تصوف علمی نظریہ نہیں، عملی تجربہ ہے - خالص شخصی، باطنی اور روحانی تجربہ - تصوف کہنے سننے کی نہیں، سیکھنے اور برتنے کی چیز ہے - یہ ذہن و خرد سے نہیں، قلب و وجدان کی راہ سے ملتا ہے - یہ خارج سے نہیں چمکتا، باطن سے پھوٹتا ہے یہ فکر و نظر کے سانچے میں نہیں پنپتا - احساس اور انفاس کی گہرائیوں میں پلتا ہے - اس کا رویہ عقلی تجسس نہیں، تسلیم و تفویض ہے - اس کا اسلوب بحث و جدل نہیں، روحانی واردات ہے، اور اس کا حاصل ظن و تخمین نہیں، حق الیقین ہے - اس لئے جو شخص اسلام کو تصوف کی راہ سے پالے وہ تشکیک و اضطراب کے ہر آزار اور تلبیس و تزویر کے ہر دام فریب سے محفوظ ہو جاتا ہے -

اس تناظر میں دیکھیں تو اسلام اپنی حقیقت کے لحاظ سے تزکیۂ روح کا دین اور تصوف اس دین کا جوہر قرار پاتا ہے - روحانیت سرچشمۂ حیات ہے اور اسی کی توسیع و تشکیل کا نام مذہب - اسی سے علم و فکر، جذبہ و احساس اور عمل و کردار کی سب قوتیں پروان چڑھتی ہیں - اسی سے فطرت انسانی کے سب تقاضے پورے ہوتے اور ذہن و دل کو جلا ملتی ہے - اسی کے ساز سے کائنات ہستی کے سب نغمے پھوٹتے اور اسی کے رخ پر زندگی کے سب دھارے بہتے ہیں - الغرض روحانیت جوہر وجود ہے اور اسی کا نام تصوف - یوں تصوف کی حیثیت ہمارے دین میں وہی قرار پاتی ہے جو ایک زندہ

نامیاتی وجود (Living organism) میں عمل تنفس یعنی سانس کی آمد و شد کی ہے۔

تصوف کا انکار کرنے والے یا اسے عجمی سازش ٹھہرانے والے ناقدین آج تک اسکی حقیقت اور حیثیت کو سمجھ ہی نہیں پائے۔ معاندانہ تنقید سے قطع نظر چودہ صدیوں کی تاریخ میں اسلامی تصوف کی حقیقت اور اسکے جوہری نظام پر ایک بھی ایسا اعتراض سامنے نہیں آسکا جس میں ذرا بھی وزن یا جان ہو۔ رہے آج کے وہ عقلیت پرست دانشور جو اسلام کی مادی تعبیر پر یقین رکھتے ہیں اور مغربیت کی پیروی میں اس دین حق کو بھی روحانیت سے عاری کر کے مجرد ایک سیکولر نظام یا زیادہ سے زیادہ قومی و نسلی شناخت کا ایک عنوان بنا دینا چاہتے ہیں تو ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ تصوف کی نفی خود اسلام کی نفی ہے۔ اور تصوف کو مٹانا اسی طرح ناممکن جسطرح اسلام کو مٹانا۔

☆ تصوف کی نمو اسلام کی ہمقدم اور تصوف کی تاریخ خود اسلام کی تاریخ ہے

☆ تصوف کی تحریک دین ہی کی تحریک ہے۔

☆ تصوف کی دعوت اسلام کی دعوت اور اس کا فروغ اسلام کا فروغ ہے۔

☆ تصوف اسلام کی معنوی قوت اور اسکی بقا کا ضامن ہے۔

☆ اسلام اگر حقیقت ہے تو تصوف اس کا عرفان۔ اسلام اگر تمدن ہے تو تصوف اس کا جوھر۔

☆ اسلام اگر شریعت ہے تو تصوف اسکی روح۔

☆ اور اسلام اگر سوسائٹی ہے تو تصوف اس کا بندھن۔

☆ تصوف اپنی حقیقت کے لحاظ سے خدا تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ یہ تزکیۂ نفس اور تعمیر سیرت کا الوھی منہاج ھے۔ یہ روح انسانی کی شناخت اور فطرت صحیحہ کی

بازیافت کا سفر ہے۔ یہ صحت فکر اور حسن عمل کا آفاقی معیار ہے۔ یہ فقہ کا جوہر، اخلاق کا سانچہ اور شریعت کا جادہ ھے

☆اور سچ تو یہ ہے کہ تصوف اسلام کی خالص ترین اور پاکیزہ ترین تعبیر ہے

اسی لئے تصوف اسلامی معاشرہ کے روزِ اول سے موجود ہے اور انشاء للہ رہتی دنیا تک پوری آب و تاب کے ساتھ مطلع حیات پر جگمگاتا رہے گا۔

تصوف اسلام کی شیرازہ بندی کا وہ داخلی عنصر ہے جو عقائد، اخلاق، اعمال اور شریعت کے دیگر تمام اجزاء میں خون کی طرح گردش کر رہا ہے قانون، معاشرت، معیشت اور سیاست ھر نظام ایک ڈھانچہ ہے اور روحانیت اسکی جان۔ یہ ڈھانچہ فقہ اسلامی کہلاتا ہے اور روحانیت کا سر عنوان تصوف ہے۔ یوں فقہ اور تصوف کا باھمی تعلق بہت گہرا ہے یہ دونوں ایک ھی پیکر کے دو اجزا اور ایک ھی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ ایک "فقہ ظاہر" ہے اور دوسرا "فقہ باطن" ۔ دونوں وحدت کے اٹوٹ رشتے میں پروئے ہوئے، باھم لازم و ملزوم۔ ایک زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتا ھے اور دوسرا اسے معتبر بناتا ہے۔ ایک تہذیب کا خاکہ دیتا ہے اور دوسرا اُس میں رنگ بھرتا ہے۔ ایک حقیقت کا راستہ دکھاتا ہے اور دوسرا منزل تک پہنچاتا ھے۔

☆ فقہ شریعت کا ظاہر ھے اور تصوف اس کا باطن۔

☆ فقہ معاشرت کا عملی دائرہ ھے اور تصوف اس کا اخلاقی پہلو۔

☆ فقہ احکام کا علم ھے اور تصوف ان پر عمل کی تحریک۔

☆ فقہ آداب کا مجموعہ ھے اور تصوف ان کا حسن۔

فقہ معاملات کا ضابطہ ھے اور تصوف ان کی تکمیل۔

☆ فقہ ایک مطالعہ ھے اور تصوف ایک رویہ۔ مطالعہ شعور دیتا ہے اور تصوف برتاؤ سکھاتا ھے۔

☆ فقہ سے اچھی عادات پروان چڑھتی ہیں اور تصوف انہیں استقامت میں ڈھالتا ہے

☆ فقہ سے عمل کا سانچہ ملتا ہے اور تصوف اس میں اخلاص پیدا کرتا ہے

☆ فقہ سے کردار نشو و نما پاتا ہے اور تصوف اسے جذبوں سے ہمکنار کرتا ہے

غرض فقہ سے شریعت ہمارے جسموں پر لاگو ہوتی ہے اور تصوف اسے دلوں میں اتارتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہ اور تصوف ہمیشہ اسلامی معاشرے میں ساتھ ساتھ رہے ہیں اور ان میں منافرت پیدا کرنے کی ہر کوشش مذموم اور رائگاں ٹھہری۔ایک طرف ابنِ تیمیہ جیسے فقیہ اور ابنِ جوزی جیسے عظیم محدث صوفیاء کرام پر بے جا تنقید کے باعث مطعون رہے تو دوسری جانب سرمد اور منصور حلاج ایسے کئی معتبر صوفیاء نے فقہ ظاہر سے انحراف کی سزا پائی۔ پھر دیکھیے ایک طرف احمد بن حنبل علیہ الرحمہ جیسے جلیل القدر امام فقہ و اجتہاد اور محمد الغزالی علیہ الرحمہ جیسے امام فکر و دانش ایک عرصہ تک صوفیاء کرام اور تصوف سے دور رہنے کے بعد بالآخر ان کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ تادم آخر تصوف کی آغوش میں سانس لیتے رہے اور دوسری جانب گروہ صوفیاء کے سردار جنید بغدادی علیہ الرحمہ ایسے امام تصوف پکارتے رہے کہ:

"علمنا هذا مشیّد بالكتاب والسنة۔"

یعنی ہمارا یہ علم تصوف کتاب و سنت ہی سے آراستہ ہے اور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ ایسے عظیم محقق صوفی نے فیصلہ کر دیا کہ:

"طریقت و حقیقت خادمان شریعت اند۔"

یعنی طریقت اور حقیقت دونوں شریعت کے تابع اور خادم محض ہیں۔ یہی نہیں ذرا آگے بڑھ کر دیکھیے کہ ایک طرف شیخ عزالدین بن عبد السلام ایسے جلیل القدر فقیہ و

محدث ہمیں ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمہ کے آگے سر جھکائے ہوئے، سپردگی کی تصویر بنے نظر آتے ہیں اور مولانا روم جیسے عبقری حکیم یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ ؎

مولوی ہر گز نشد مولائے روم

تا غلام شمس تبریزی نشد

اور دوسری جانب داتا گنج بخش علی ھجویری علیہ الرحمہ اور غوث الاعظم محی الدین جیلانی علیہ الرحمہ ایسے بے مثال ائمہ روحانیتِ ہمیں فقہاء ظاہر کی تقلید و پیروی کرتے اور ائمہ اجتہاد کی عظمت کا دم بھرتے نظر آتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ محض دو طبقوں کا باھمی ربط و ضبط نہیں بلکہ شریعت محمدی علیٰ صاحبہا التحیہ کے دو اجزا، علم ظاہر اور علم باطن کی شیرازہ بندی کا آئینہ دار ہے۔ جبھی تو ایک طرف امام شافعی علیہ الرحمہ ببانگ دھل یہ اعلان کر رہے ہیں کہ :

"یحتاج الفقیه إلی معرفة اصطلاح الصوفیة لیفیده من العلم مالم یکن عنده ۔"

یعنی صاحب فقہ واجتہاد کو علم صوفیہ کی شدید احتیاج ھے تاکہ اس کا نقص دور ہو سکے اور دوسری جانب امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ دوٹوک فیصلہ سنا رہے ہیں کہ :

"شریعت را سہ جزو است، علم و عمل و احسان۔ تا ایں ہر سہ جزو متحقق نشود، شریعت متحقق نشود۔"

یعنی شریعت اسلامیہ کے تین اجزا ہیں۔ علم، عمل اور احسان۔ جب تک یہ تینوں اجزا اکٹھے نہ ہوں شریعت قائم نہیں ہوتی۔ اور سنئے : امام مالک علیہ الرحمہ نے تو یہ کہہ کر بات ھی ختم کر دی ھے کہ :

"من تصوف ولم یتفقه فقد تزندق ومن تفقه ولم یتصوف فقد تفسق ومن جمع بینهما فقد تحقق۔"

یعنی جس نے فقہ کے بغیر تصوف کو اپنایا وہ زندیق ہوا اور جس نے تصوف کے بغیر فقہ پر اکتفا کیا وہ فاسق ٹھہرا اور جس نے دونوں کو جمع کر لیا وہی ہدایت کی راہ پر ثابت قدم ہے۔

بنابریں فقہ اور تصوف کا حسین امتزاج ھی ہدایت کا راستہ ہے اور اسی حسین امتزاج کا شاہکار ھے پیشِ نظر کتاب :

"تحصیل التعرف فی معرفة الفقه والتصوف"

یہ در حقیقت اپنی آغوش میں دو کتابوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ شارح بخاری علامہ شیخ احمد زروق علیہ الرحمہ نے فقہ اور تصوف کی شیرازہ بندی، ظاہر و باطن میں ہم آہنگی اور فقہاء و صوفیاء کے درمیان مفاہمت پیدا کرنے کیلئے

"قواعد الطريقة فی الجمع بين الشريعة والحقيقة"

کے عنوان سے ایک بے مثال کتاب تصنیف کی اور آگے چل کر شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اس کتاب کے منتخب اجزاء کی شرح لکھی جو "تحصیل التعرف" کے نام سے ہمارے سامنے ھے۔ یوں یہ کتاب بیک وقت علم ظاہر اور علم باطن کے دو جلیل القدر اماموں کی فکری کاوشوں کا حاصل ھے۔ ایک کے وجدان سے معرفت کے چشمے پھوٹے اور دوسرے نے ان کو بہتے دھاروں میں بدل دیا۔ ایک نے علم و دانش کی بنیاد اٹھائی اور دوسرے نے اس پر بلند پایہ عمارت کھڑی کر دی۔ ایک نے تخلیقی فکر کے نئے راستے بنائے اور دوسرے کے رہوار تخیل نے ان راہوں سے کئی جہان معنی دریافت کیے۔ ایک نے ظاہر و باطن میں ہم آہنگی کے سانچے وضع کیے اور دوسرے نے فقہ و تصوف کو ان سانچوں میں ڈھال دیا۔ ایک کی روحانیت نے دنیائے علم میں توازن کا ماورائی خاکہ دیا اور دوسرے کے تفقّہ نے اس خاکے میں معنویت کا رنگ بھرا۔ ایک کی عبقریت نے بین الفنون (Inter Sciences) بحث

و نظر کا منہاج تراشااور دوسرے کی اجتہادی بصیرت نے اسے یوں برتا کہ آنے والی نسلوں کے لئے فکری رہنمائی کا سامان مہیا کر دیا- اس طرح یہ کتاب ایک غیر معمولی تحقیق کا روپ دھار گئی-

پھر جس قدر بلند پایہ اور عمیق یہ کتاب تھی، اتنا ہی عظیم اور ژرف نگاہ مترجم اسے میسر آیا- مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری زید مجدہ کی ذات گرامی علم و فضل کی دنیا میں خود ایک استعارہ اور پہچان بن گئی ہے- تعلیم و تدریس، وعظ و تقریر اور تحقیق و تصنیف میں عمر گزری ایک عالم کو سیراب کیا- تشنہ لبوں کی پیاس بجھائی اور فکرو دانش کے گلزار کھلائے- پیش نظر ترجمہ ان کے تبحر علمی، وسعت فہم اور دقت نظر کا شاہکار ہے- اسلوب میں تحقیق، تسلسل اور تکمیل کا رنگ جھلک رہا ہے اور طرز نگارش انتہائی سلیس، شستہ اور رواں ہے- اردو اور عربی دونوں زبانوں میں مہارت کو اس سلیقہ سے برتا ہے کہ ترجمہ میں اصل بیان کی لطافت منعکس ہو رہی ہے- اس سے کتاب جہاں تحقیق، تشریح اور تعبیر کے سہ آتشہ لطف کا مرقع بن گئی ہے وہیں اسکی تاثیر وافادیت میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا ہے- بارگاہ رب العزت میں استدعا ہے کہ مترجم کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور ہم سب کو دین متین کی بیش از بیش خدمت کے مواقع ارزانی فرمائے- آمین

مظہر لاریب، ترجمہ

شرح فتوح الغیب ـــــ ایک تعارف

علامہ محمد منشا تابش قصوری

شہرت و ناموری اور مقبولیت کسی کے بس کی بات نہیں نہ ہی حسب و نسب اس کے حصول کا ذریعہ اور نہ ہی کرہ ارض میں سی خاص جگہ کی نسبت سے متعلق ہے۔ بلکہ ہر قسم کی عزت و عظمت رفعت و منزلت خالق کریم کے فضل و کرم اور اس کی رحمت و عطائے خاص سے وابستہ ہے۔ وَاللّٰہُ یَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ۝ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے رحمت سے مختص فرماتا ہے اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔

حسب و نسب اور مخصوص جگہ سے یہ صفتیں تعلق رکھتیں تو ابولہب، ابوجہل اینڈ کمپنی قریشی، ہاشمی اور مکی ہونے کے باوجود ذلت و خواری سے جہنم کا ایندھن نہ بنتے۔

جبکہ ان کے برعکس حضرت بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنھم جن کا

تعلق حجاز مقدس سے بھی نہ تھا اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی نگاہ رحمت وکرم سے عزت وعظمت کے آسمان پر آفتاب ومہتاب بن کر چمک رہے ہیں۔

مگر اس تمہید سے یہ بھی نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ حسب ونسب کسی کام کی چیز نہیں۔ سچی اور صحیح بات تو یہ ہے کہ صاحبِ فضل وکمال حسب ونسب کو بھی باعثِ صد افتخار بنا دیتے ہیں۔ جن کا وجود مسعود تقویٰ وورع اور پرہیز گاری کا خزینہ بن جاتا ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ کے ہاں لائق تکریم تقریب ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ"

''بیشک اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت وتکریم والا وہی ہے جو بہت بڑا متقی ہے۔

پس جو شخص جس قدر کمالاتِ حسنہ کا امین ہوگا اسی قدر ہی وہ عام وخاص کی نگاہ میں لائق ادب واحترام اور قابلِ تعظیم وتکریم ہوگا۔ نیز نہ صرف وہ بلکہ اس کا قبیلہ اور خاندان بھی عزت وتوقیر کا حامل ہوگا لہٰذا ثابت ہوا کہ شعوب وقبائل تو تعارف اور جان پہچان کا ذریعہ ہیں اصل تکریم کا سبب تو ورع، تقویٰ، نیکی اور پرہیز گاری ہے۔ ایسی ہی مقبول بارگاہِ الٰہی عظیم شخصیّات میں امام المحدثین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نام نامی اسم گرامی نمایاں نظر آتا ہے، جنھوں نے علوم وعرفان کو ورع وتقویٰ کے ساتھ ایسے آراستہ وپیراستہ فرمایا کہ صدیاں گزر رہی ہیں مگران کا نام اور مبارک کام آج بھی آسمانِ شہرت پر روزِ اوّل کی طرح چمک رہا ہے۔

آپ نے برّ اعظم ایشیاء خصوصاً پاک وہند میں علوم وحدیث، سیر وسوانح، تصوف واحسان کی بنیادوں کو خوب خوب مضبوط اور مستحکم کیا۔ کیونکہ انھیں بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کی طرف سے ادھر بھیجا گیا، حضرت شیخ نے سرزمینِ ہند پر قدم رکھتے ہی علوم وفنون اسلامیہ کے ایسے دریا بہائے جنھیں خشک ہونے سے کوئی واسطہ نہ رہا، آپ کی حیاتِ مبارکہ عشقِ حبیب خدا ﷺ سے عبارت تھی۔

اہلِ عشق ومحبت، فیصلہ کن انداز میں فرماتے ہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ

تعالیٰ علیہ نہ صرف علوم حدیثہ کی اشاعت پر کمر بستہ رہے بلکہ وہ تو عشق و محبت ﷺ کی دولتِ عظمیٰ کو بھی بڑی فراخی سے تقسیم فرماتے رہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ کی "حیاتِ مبارکہ" اتنی پُرکشش اور ایمان افروز ہے کہ بیسیوں عنوان پر تفصیل سے لکھا جاسکتا ہے۔ مگر اسے کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا کرم شامل حال ہو تو مستقل کتاب مرتب کی جائے گی۔ یہاں پر آپ کی ایک نہایت اہم تصوّف و استحسان اور عرفانِ غوثیہ پر مبنی تصنیف جو شرح فتوح الغیب کے نام سے شہرت تامہ کا درجہ رکھتی ہے اس کے متعلق آپ کی کیفیاتِ قلبیہ کو نوک قلم پر لانے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

حضرت شیخ کی بالاتفاق کل تصانیف کی تعداد ساٹھ بتائی جاتی ہے۔ موضوع کے اعتبار سے مختلف ہونے کے باوجود مقصد ایک ہی ہے۔ جیسا کہ خود کتاب الرسائل میں فرماتے ہیں کہ "وہ اس بات پر مامور تھے کہ سوائے سنّت و شریعت کے کسی موضوع پر گفتگو نہ کریں۔ چنانچہ ان کی تمام تر ادبی و فنّی کاوشوں کا مرکز و محور شریعت و سنّت ہی رہا۔

شیخ محقق علیہ الرحمتہ کی تصانیف فن و موضوع کے اعتبار سے مندرجہ ذیل عنوانات کے ماتحت آتی ہیں۔

تفسیر، حدیث، عقائد، فقہ، تجوید، تصوّف، اخلاق، اعمال، فلسفہ و منطق، تاریخ، سیر، نحو، ذاتی حالات، خطبات، مکاتیب اور اشعار پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم ان پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

جب اس چیز پر غور کیا جاتا ہے کہ ایک ہی قلم سے یہ مختلف النوع تصانیف نکلی ہیں اور ان سب کا علمی معیار نہایت اعلیٰ ہے تو شیخ محدّث کے علمی تبحر کا غیر فانی نقش دل پر قائم ہو جاتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ:

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پر تو آں
هر کجامی نگری انجمنے ساختہ اند

شرح فتوح الغیب:

حضور سیّدنا محبوب سبحانی شہباز لامکانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اٹھتر (۷۸) مواعظ علمیہ، حقیقہ عرفانیہ کے ایک نورانی مجموعے کا نام ہے ''فتوح الغیب'' جس کی شرح لکھنے کے لیے قدرت نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کو منتخب فرمایا۔ ''فتوح الغیب'' کی فصاحت و بلاغت اور تاثیر کا اعتراف انگلستان کے مشہور مستشرق مارکولیتھ نے بھی کیا ہے۔ اس میں مذہبی مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں تصوّف کی چاشنی دے کر اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

حضرت شیخ تو یوں ارقام پذیر ہیں

در تحقیق مقالات دین کمالات اہلِ یقین موافق لسان رسالت و زبان نبوت است چنانکہ شان معارف صدیقاں است فرمودہ اند۔

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے اس کی شرح نہایت ہی عالمانہ لکھی اور شرح لکھنے کی داستان بھی بڑی دلچسپ ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب حضرت شیخ عبدالوہاب متقی علیہ الرحمۃ (جو آپ کے مربی و مرشد اور جلیل القدر استاذ تھے) کے پاس دیکھی تو انھوں نے فرمایا:

ایں را حاصل کنید و دست وراں زنید و براں باشید و ہر قدر کہ توانید براں عمل کنید و بدانید و آگاہ باشید کہ طریقۂ حضرت قادریہ وراہ روشن ایں سلسلہ علیہ ایں ست۔

جب آپ حرمین شریفین (زادھما اللہ شرفاً وتعظیماً) میں چار سال تک قیام کرنے کے بعد واپس ہندوستان تشریف لائے تو قادریہ سلسلہ کے ایک بزرگ نے فتوح الغیب کا ایک نسخہ عنایت فرمایا۔ حضرت شیخ نے اپنے استاذ کی ہدایت کے مطابق اسے کافی غور سے پڑھا، فرماتے ہیں:

بوصیتِ شیخ ذکرہ اللہ بالخیر آنرا گرفتم و بخواندم و ورد ساختم، چنانچہ میں نے اپنے استاذ گرامی کی وصیت کے مطابق میں نے اسے لیا، پڑھا بلکہ اسے میں نے اپنا وظیفہ بنالیا۔

پھر مجھے حضرت شاہ ابوالمعالی قادری (لاہوری) رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمہ و شرح لکھنے کا حکم

دیا۔ اور فرمایا:

"ہمہ کارہا گزاشتہ ایں کار باید کرد"

تمام کام چھوڑ کر یہی کام کریں۔

لیکن شیخ فرماتے ہیں مجھے اس کام کے کرنے کی ہمت نہ ہوتی، ایک مرتبہ لاہور جانا ہوا۔ بیس دن تک حضرت شاہ ابوالمعالی کی خدمت میں رہنے کی سعادت میسر ہوئی جن کی صحبت میں رہنے کی برکت سے اس کام کو انجام دینے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ "ناگاہ حال دیگر گشت و ہمت درکار شد وفتح باب روئے نمود و بیم از دلِ ما۔ رفتہ اُمید بہم رسید و ہیبت فرونشستہ اُنسے پیدا آمد۔

اچانک حالت بدلی، کام کرنے کی ہمت اُجاگر ہوئی، فتوحات کے دروازے کھل گئے، ہمارے دل سے خطرات نکل گئے، اُمید بر آئی ہیبت بیٹھ گئی اور محبت وانس کا ظہور ہو گیا۔

بحمدہ تعالیٰ ۱۰۲۳ھ میں اس شرح کی تکمیل ہوئی مفتاح فتوح تاریخ نام رکھا گیا۔ خاتمہ پر یہ رباعی موزوں ہوئی:

رباعی

ایں شرح کہ "مفتاح فتوح"☆ الغیب است
از غیب است ایں ازاں بری از عیب است
مفتاح فتوح نام و تاریخ افتاد
در خاطر آن مظہر لاریب است

حضرت شیخ محدّث دہلوی علیہ الرحمتہ کو حضور سیّدنا محبوب سبحانی غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بے پناہ عقیدت ومحبت تھی اس کا اظہار اس کتاب میں عجیب طریقہ سے ہوا ہے۔ آپ نے اس کی شرح کے شروع میں اپنا مقدمہ یا نام نہیں لکھا۔ اور یہ اس لیے کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف مبارکہ کی عظمت ورفعت اور علومرتبت ومنزلت کے پیشِ نظر اپنی طرف

☆ ۱۰۲۳ھ

سے کچھ لکھنا سوءادب خیال کیا چنانچہ یوں فرماتے ہیں:

"ذکر نام ایں حقیرِ خود چہ حدو مجال کہ دریں مقام تواں برد"

اس فقیر کی کیا طاقت اور مجال کہ اس مقام پر اپنے نام کا ذکر تک کرے اور پھر آپ کے اس ایک مصرع نے تو مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا:

باوجودت زمن آواز نیامد کہ منم

حضرت شارح علیہ الرحمۃ نے شرح کے خاتمہ پر ایک مختصر نوٹ لکھتے ہوئے اپنی رائے مبارکہ کو اس طرح درج کیا ہے:

"انچہ دریں کتاب ازاں فرمودہ است ہمہ بیانِ کتاب وسنت است"

اس کتاب میں جو کچھ بھی درج کیا گیا ہے وہ تمام تر کتاب وسنت پر ہی مبنی ہے۔

حضرت شیخ کی یہ شرح ۱۲۸۳ھ میں لاہور سے شائع ہوئی بعدہ ۱۲۹۸ھ میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے چھپی، قلمی نسخے بانکی پور، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، حیدرآباد اور یورپ کے متعدد کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔نولکشور نسخے کا عکس ۱۹۹۸ء/۱۴۱۸ھ کو نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی بلال گنج لاہور نے شایع کر کے اسے حیاتِ نوبخشی۔

کچھ اُردو ترجمے مظہر لاریب کے بارے میں:

حضرت شیخ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے "فتوح الغیب" کی جلالت وعظمت پر مذکور الصدر کلمات پڑھ کر ناچیز کے دل ودماغ پر کچھ ایسے رعب طاری ہوا جس کے باعث فیصلہ کیا کہ ان عظیم المراتب ہستیوں کے زیر دامن چھپے رہنے میں ہی عافیت ہے۔لہٰذا اپنے بارے میں کسی قسم کے تعارف سے زبان وقلم کو خشک رکھنا ہی مناسب سمجھا۔

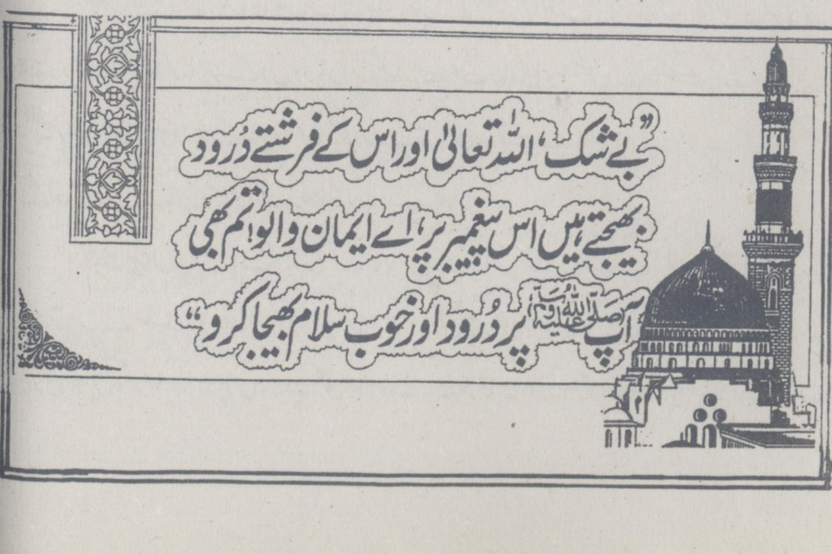
البتہ یہاں پر اس بات کو واضح کرنا ضروری ہے کہ اس کتاب مستطاب "شرح فتوح الغیب" کے ترجمہ کے سلسلہ میں صاحبزادہ سیّد شجاعت رسول قادری زید مجدہٗ نے مجھے چار سال قبل ذمہ داری سونپی، مگر ہمّت نہ پڑتی، جب بھی موصوف سے ملاقات ہوتی پیہم تقاضا کیا گیا، میری طرف

سے زبانی تسلی کے سوا کچھ نہ ہو پاتا۔

بار بار خیال آتا کہ صاحبزادہ صاحب کی خواہش کی تکمیل ہونی چاہیے کئی مرتبہ راتوں کو اُٹھ کر بارگاہ غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں استغاثہ پیش کیا۔ آخر کار عزیز القدر مولانا علاّمہ قاری محمد یٰسین قادری شطاری زیدہ مجدہٗ فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، جو میرے مخلص اور قابل ترین تلامذہ میں امتیازی شان کے مالک ہیں۔ انھیں معاونت کے لیے کہا، موصوف نے میری بات کو سنجیدگی سے لیا۔ ہر طرح ساتھ دینے کی حامی بھر لی۔ اور پھر انھوں نے خوب ساتھ نبھایا۔ متعدد کتب لغت اور دیگر کتابوں سے استفادہ کیا گیا جگہ جگہ موصوف نے ترجمہ کے ساتھ مفید حواشی سے اس کے وزن و وقار میں اضافہ کیا۔ مولیٰ تعالیٰ انھیں اس کار خیر کی بہتر جزا عطا فرمائے اور ہمارے علم و عمل کو زبان و قلم کی مزید جولانیاں مرحمت فرمائے۔ بناء علیہ یہ ترجمہ ہماری کاوش سے زیادہ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ کے فیضان اور حضور سیّدنا محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر غوث اعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہِ کرامت کا مرہونِ منت ہے۔ لہٰذا انھیں کی بارگاہ بیکس پناہ میں درخواست ہے! سرکار ہمارے اس حقیر سے نذرانے کو شرفِ قبولیت سے نوازیئے: ع

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

☆☆☆



پروفیسر خادم حسین قریشی مجدّدی☆

علم تصوّف
(ایک جائزہ)

تصوّف کے بارے میں کئی لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ لہٰذا بعض اسے غیر اسلامی سمجھتے ہیں اور بعض دین میں نئی چیز (بدعت) اور یہ غلط فہمی یا تو اس کے نام کی وجہ سے ہے یا اس کے مخصوص اعمال واشغال (اذکار و مجاہدات کے مختلف طریقے) کی وجہ سے ہے۔ اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ اس مختصر مضمون میں چند حقیقت کشا حقائق بیان کیے جائیں۔

تصوّف پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ چوں کہ یہ لفظ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مروج نہیں تھا اور یہ بعد کی ایجاد ہے، لہٰذا غیر اسلامی ہے۔ اس قسم کی غلط فہمی زیادہ تر مستشرقین (Orientalists) نے پھیلائی ہے۔ اب اگر اس بات کو بنیاد بنا کر علوم اسلامی کی درجہ بندی کی جائے تو علم تفسیر، علم حدیث، علم الفقہ، علم البیان، علم المعانی اور دوسرے اسلامی علوم بھی غیر اسلامی ٹھہریں گے۔ کیوں کہ نہ یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں مروج تھے اور نہ ہی یہ علوم اس زمانے میں مرتّب و مدوّن ہوئے تھے۔

☆ اُستاد شعبہ اسلامی ثقافت و علوم اسلامیہ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، کالی موری، حیدر آباد

بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی علم بھی غیر اسلامی نہیں ہے، اور نہ ہی علم معرفت غیر اسلامی ہے، جسے عرف عام میں علم تصوّف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگر چہ یہ علوم وفنون آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں مرتّب نہیں ہوئے تھے۔ کیوں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اس قلیل عرصہ میں جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف تھے، تاہم وہ پاک نفوس بہت بلند پایہ مفسر، محدّث، فقیہ اور خدا رسیدہ عارفان باصفا بھی تھے۔ مگر اس دور میں کوئی بھی مفسر، محدث، فقیہہ اور عارف جیسے القابات سے مشہور نہیں تھا۔ بلکہ ان حضرات کے لیے سب سے بڑا اعزاز صحبت رسول اللہ ﷺ تھا اور وہ اس نسبت سے اصحاب رسول کہلاتے تھے۔ حضور ﷺ کی صحبتِ باا ثر سے ان لوگوں کے نفس کا تزکیہ خود بخود ہوتا رہتا تھا۔

اس طرح سے صحابہ کرام سے جن لوگوں نے فیض پایا وہ تابعین کہلائے اور تابعین سے فیض پانے والے تبع تابعین، مگر اب خیر القرون (بہترین زمانہ) ختم ہوا چاہتا تھا، اور عہد رسول اللہ ﷺ وصحابہ کرام سے دوری کی وجہ سے لوگوں میں روحانی تغیر اور بے چینی بڑھ چکی تھی۔ یہ دوسری صدی ہجری کا دور تھا اس زمانے میں مختلف اسلامی علوم وفنون باقاعدہ مرتّب ومدوّن ہونا شروع ہوئے اور ان کے اصول وضوابط مقرر کیے گئے۔ تاکہ عمارتِ اسلامی کی بنیاد مضبوط ہو جائے۔ چناں چہ یہی وہ دور ہے جس میں دوسرے علوم اسلامی کے اماموں کی طرح علم معرفت کے اماموں نے بھی تزکیہ نفس اور روحانی ترقی کے لیے باقاعدہ علم کو مرتّب ومدوّن کیا اور اس کے اصول وضوابط مقرر کیے جس کو تصوّف کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس کی بنیاد قرآن وحدیث پر رکھی گئی۔ تصوّف بنیادی طور پر وہی تھا جس کو قرآن میں ''تزکیہ'' اور حدیث میں ''احسان'' کہا گیا ہے۔ اس کا سب سے بڑا مقصد نفس انسانی کو تمام اخلاق رذیلہ (برے اخلاق) سے پاک کرنا تھا تاکہ اس کے دل میں یقین کا نور پیدا ہو سکے اور وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب حاصل کر سکے۔ کیوں کہ اگر نفسانی خواہشات یعنی حرص، لالچ، حرام خوری، بغض، حسد، خود غرضی، عداوت، بے حیائی، بے ایمانی، تکبر، جھوٹ اور شہوت پرستی انسان میں پیدا ہو جائیں تو انسان اسفل السافلین میں گر کر تباہ وبرباد ہو جاتا ہے اور نفس کا غلام بن کر جانوروں سے بدتر ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف

اگر عبادات، ریاضات اور روحانی اشغال (ذکر کے مختلف طریقے) سے نفس کا تزکیہ کیا جائے تو ان بری صفات کی جگہ اخلاق حسنہ مثلاً: اخلاص فی العمل، ایثار، صداقت، عفت، عدالت، ہمدردی، عجز وانکساری، حق پرستی، اور پرہیزگاری کا غلبہ ہو جائے گا، بندہ حقیقت میں بندۂ مومن بن جائے گا اور دنیا میں اس کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوگا۔ یہ ہے تصوّف (مجاہدات، ریاضات، اشغالات) کی غرض وغایت جو کہ کسی طرح سے بھی غیر اسلامی نہیں ہو سکتی۔

بعض لوگ تصوّف کو شریعت میں نئی چیز (بدعت) سمجھتے ہیں۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ بھی اس کی اصل تک نہیں پہنچ سکے۔ بلکہ وہ محض سطحی طور پر چند نام نہاد متصوفین کی وجہ سے نفس تصوّف ہی سے منکر ہو گئے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس معاملے کو بھی دیکھا جائے۔

بدعت کی تعریف تو علماء کرام نے کئی طرح سے کی ہے، لیکن جو زیادہ جامع اور محقق معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ”دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ جس کے لیے شریعت میں کوئی دلیل نہ ہو“۔

اب اس سوال پر غور کیجیے کہ اگر دین میں کوئی چیز مقصود اور مطلوب ہو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کا حاصل کرنا ضروری قرار دیا ہو، لیکن کسی وقت زمانے کے حالات بدل جانے یا ضروریات مختلف ہو جانے سے وہ چیز اس طریقے سے حاصل نہ کی جا سکتی ہو جس طریقہ سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنھم کے زمانے میں حاصل ہو جایا کرتی تھی۔ بلکہ اس کے حصول کے واسطے کوئی اور طریقہ استعمال کرنے کی ضرورت پڑ جائے، تو کیا اس نئے طریقے کے استعمال کو بھی آپ دین میں اضافہ اور بدعت کہیں گے؟ مثلاً: دین سیکھنا اور سکھانا ضروری ہے اور لوگ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانے میں اس کے لیے صرف صحبت کافی ہو جایا کرتی تھی۔ تعلیم کے لیے کوئی مستقل انتظام نہیں تھا، نہ مدرسے تھے نہ کتابیں تھیں، نہ علوم کی درجہ بندی تھی نہ اشاعت وطباعت کا کوئی انتظام تھا۔ لیکن بعد کے حالات اس قسم کے ہو گئے کہ صرف صحبت اس مقصد کے لیے کافی نہیں رہی، بلکہ کتابوں، مدرسوں، کتابت اور علوم کی درجہ بندی کی ضرورت پڑ گئی۔ اس وقت اللہ کے بندوں نے اس مقصد (تعلیم وتعلم) کے حصول کے لیے تمام موجود وسائل کو کام میں لا کر دین کی تعلیم کا انتظام کیا۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلا اور اب

تک وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔تو کیا تعلیم و تعلم کے طریقے میں اس نئی تبدیلی کو بھی دین میں اضافہ اور بدعت کہا جائے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ دین میں اضافہ تب ہوگا جب ان وسائل و ذرائع کو مقصود اور امر شرعی بنا کر کیا جائے۔لیکن اگر کسی دینی مقصد کے حصول کے لیے قدیم طریقے ناکافی ہوجانے کی وجہ سے کوئی نیا طریقہ اختیار کیا جائے ،تو اسے دین میں اضافہ (بدعت) نہیں کہا جائے گا۔تو ثابت ہوا کہ تصوف کے جن اشغال و اعمال (ذکر و مراقبہ کے مختلف طریقے) کو بدعت کہا جاتا ہے،ان کی نوعیت بھی یہی ہے۔ان میں سے کسی چیز کو بھی مقصد (Object) سمجھ کر نہیں کیا جاتا، بلکہ یہ تمام طریقے مقصد (تزکیہ نفس) حاصل کرنے کے وسائل و ذرائع (Sources) ہیں۔جیسا کہ تسبیح کہ وہ مقصد نہیں بلکہ ذکر کرنے کا ذریعہ ہے۔اب اگر کوئی شخص تسبیح کے بغیر بھی یہ مقصد حاصل کرتا ہے تو ٹھیک ہے، مگر اس کو اس شخص پر تنقید کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں جو صرف اس لیے ذکر کے وقت تسبیح استعمال کرتا ہے کہ اس سے ذکر خداوندی زیادہ دل جمعی اور آسانی سے ہوا کرتا ہے۔

اس مسئلے کو مزید یوں سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہر وقت اس کی طرف متوجہ رہنا اور کسی بھی وقت غافل نہ ہونا، یہ کیفیات دین میں مطلوب و مقصود ہیں،اور قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بغیر ایمان اور اسلام کامل ہی نہیں ہوتا۔لیکن رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دین کے لیے تعلیم و تربیت کی طرح یہ ایمانی کیفیات بھی آپ کی صحبت ہی سے حاصل ہوجاتیں تھیں،اور حضور ﷺ کے فیضان صحبت سے صحابہ کرام کی صحبتوں میں بھی یہ تاثیر تھی لیکن بعد میں ماحول کے زیادہ بگڑ جانے اور استعدادوں کے ناقص ہوجانے کی وجہ سے اس مقصد کے حصول کے لیے، دین کے اس شعبے (تزکیۂ نفس) کے اماموں نے صحبت کے ساتھ ذکر و فکر کی کثرت، خاص قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے تجویز کیے،اور تجربے سے یہ تجویز صحیح ثابت ہوئی۔مگر بعض ایسے اعلیٰ استعداد والے لوگ بھی ہوتے ہیں، جنھیں اس طرح کا کوئی ذکر و شغل کرانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ انھیں یہ کیفیات یوں ہی نصیب فرمادیتا ہے۔اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان تمام چیزوں کو صرف علاج اور تدبیر کے طور پر ضرورتاً کیا جاتا ہے۔اور یہ وہ تدابیر ہیں

جن کو اسلام کے بہت سے اکابرین نے استعمال بھی کیا ہے اور کرایا بھی ہے۔

اب اگر ان تمام اشغال و اعمال (مثلاً: ذکر و مراقبے کے مخصوص طریقے جو مشائخ کے تجویز کردہ ہیں اور اپنی قیود و اوضاع (Structure) کے ساتھ سنت سے براہ راست ثابت نہیں) کو بدعت سمجھا جائے، تو اس کا مطلب ہوگا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان سے بھی پہلے بہت سے حضرات کو مجدد اور مصلح نہیں بلکہ بدعات کا حامی اور بدعات کو رواج دینے والا ماننا پڑے گا۔ کیوں کہ ان حضرات نے نہ صرف ان اشغال و اعمال کو خود کیا ہے، بلکہ انھوں نے تمام عمر اپنے پاس آنے والے طالبوں کو ان ہی طریقوں سے ذکر و شغل کرا کے ان کا سلوک طے کرایا ہے۔ اور ان ہی اشغال و اعمال سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔☆

حالانکہ جو شخص بھی ان حضرات کے شخصی حالات اور تجدیدی و اصلاحی کارناموں سے کچھ واقف ہے اور ان کے رسوخ فی العلم، تفقہ فی الدین اور عند اللہ مقبولیت کا قائل۔ ہے وہ کسی طرح بھی یہ قبول نہیں کرسکتا کہ یہ سب حضرات چند بدعتوں کو قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر خود بھی ساری عمر ان میں مبتلا رہے اور اللہ کے ہزاروں بندوں کو بھی قیامت تک اس میں مبتلا کر گئے! بے شک مجدد اور مصلح نبی کی طرح معصوم اور صاحب وحی تو نہیں ہوتا، لیکن وہ بدعات کا داعی اور رواج دینے والا بھی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ان حضرات نے جو کچھ بھی کیا وہ عین شریعت کے مطابق ہے۔

دراصل تصوف کا اہم مقصد مرتبۂ یقین کی تحصیل ہے۔ (یہاں یقین سے مراد وہ خاص یقین ہے جو وہبی طور پر صالحین امت کو نصیب ہوتا ہے جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں "یادداشت" کہتے ہیں۔ نہ کہ وہ یقین جو دلائل یا تقلید سے پیدا ہو۔) یہ یقین عبد اور معبود کے رشتے میں بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اسلامی زندگی کی روح ہے۔ جس طرح جسم روح کے بغیر بے جان اور آنکھیں

☆ اس ضمن میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی کتابیں بھی دیکھ لی جائیں جن میں ذکر کرنے کے مختلف طریقے بیان ہوئے ہیں۔ کیونکہ زیادہ تر انھی کے متبعین، تصوف پر اعتراضات کرتے ہیں۔

نور کے بغیر بے کار ہیں، اسی طرح مرتبۂ یقین کے بغیر اعمال بے کیف ہیں۔ اسی وجہ سے تصوّف کا دوسرا مقصد اخلاص فی العمل بھی ہے۔ اور جب کسی انسان کو یقین کامل اور اخلاص فی العمل حاصل ہو جائے تو پھر اس کے تمام عیوب کا ازالہ ہو جاتا ہے اور اس میں اخلاق رذیلہ کی جگہ اخلاق حسنہ پیدا ہو جاتے ہیں۔

اس تمام بحث کو ہم یوں سمیٹ سکتے ہیں کہ تصوّف نام ہے اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرنے کا، تصوّف نام ہے اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اسے دیکھنے کی شدید ترین آرزو کا، اور تصوّف نام ہے قرآن وسنت اور ان کی تعلیمات پر کامل یقین اور اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کا۔ یہ حقیقت ہے کہ ان تمام عنوانات کا ثبوت بکثرت قرآن و حدیث میں موجود ہے اور تصوّف کے جتنے بھی اعمال واشغال ہیں ان سب کا مقصد ان عنوانات کا حصول ہے۔ چنانچہ تصوف کی اصل قرآن و حدیث میں موجود ہے،، اس لیے اس کو بدعت اور غیر اسلامی کہنا زیادتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر ظہیر الدین صدیقی
گورنمنٹ کالج لاہور

ترجمۂ رسالہ نوریہ سلطانیہ ___ ایک تعارف

رسالہ نوریہ سلطانیہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تالیف ہے جس میں انھوں نے سلطنت و حکومت سے متعلق مطالب بیان کیے ہیں۔ فارسی ادب میں سیاست وحکومت سے متعلق تالیفات کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ سیاست نامہ نظام الملک طوسی، قابوس نامہ عنصر المعالی کیکاؤس اور نصیحت الملوک امام غزالی سے لے کر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے رسالہ نوریہ سلطانیہ تک بہت سی کتابیں وجود میں آئیں۔ ان میں کچھ ایسی تالیفات بھی ہیں جو براہ راست حکومت وسیاست سے متعلق ہیں اور کچھ تالیفات ایسی بھی ہیں جن میں بادشاہ کو نصیحتیں کی گئی ہیں جیسے نصیحت الملوک شیخ سعدی شیرازی اور کچھ تالیفات ایسی بھی ہیں جس میں بادشاہ کی شخصیت کو ایک مثالی کردار کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور اس ضمن میں وہ تمام اوصاف حسنہ جو ایک بادشاہ کے لیے ضروری ہیں ان کا ذکر

کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ تمام اوصاف حسنہ بفضلہٖ تعالیٰ ممدوح کی شخصیت میں پائے جاتے ہیں۔ اس نوع کی مشہور ترین کتاب اخلاق محسنی ہے۔ اسی قسم کی ایک اور کتاب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ہم عصر نورالدین محمد قاضی الخاقانی کی کتاب اخلاق جہانگیری ہے۔

برصغیر میں سیاست وحکومت پر سب سے پہلی کتاب ضیاء الدین برنی کی فتاویٔ جہانداری ہے۔ اس کے بعد بہت سی تصانیف وجود میں آئیں۔ اس قسم کی کتابوں کو Mirror for princes کہتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب رسالہ نوریہ سلطانیہ بھی اسی نوع کی کتاب ہے جو مختصر ہونے کے باوجود اس موضوع پر خاصی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب میں سلطنت کے آداب کا بھی ذکر ہے اور ان اوصاف حسنہ کا بھی بیان ہے جو ایک اچھے بادشاہ کے لیے ضروری ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی نظر میں سلطنت کی بنیاد چار ستونوں پر استوار ہے اگر ان میں سے ایک ستون بھی موجود نہ ہو تو سلطنت کی عمارت مستحکم نہیں ہوگی بلکہ زمین بوس ہو جائے گی۔ حکومت کے چار ستون خزانہ، لشکر، لشکر میں اتحاد اور عدل وانصاف ہیں۔ اس کتاب میں انھی چار ارکان کے حصول کے باب میں مطالب بیان ہوئے ہیں، خاص طور پر صفت عدالت پر شیخ محدث نے بہت زور دیا ہے ان کی نظر میں ہر وہ حکم جو شریعت کے مطابق دیا جائے گا وہ عدل وانصاف پر مبنی ہوگا یوں بادشاہ کو چاہیے کہ وہ شریعت کی پابندی کرے۔

اس کتاب کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کا اُردو میں ترجمہ ہونا ازبس ضروری تھا۔ پروفیسر محمد غضنفر علی وڑائچ نے سادہ ورواں اُردو میں اس کتاب کا ترجمہ کر کے اس ضرورت کو پورا کیا ہے۔ انھوں نے بڑی محنت اور کاوش سے نہ صرف ترجمہ کیا ہے بلکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے احوال و آثار پر بھی محققانہ روشنی ڈالی ہے۔ اُمید ہے رسالہ نوریہ سلطانیہ کا ترجمہ اہلِ علم وفضل کی نظر میں وقعت کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

☆☆☆

چند حکایات

(رسالہ نوریہ سلطانیہ مُصنّفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے باب پنجم سے اقتباس)

در گذر بردباری اور احسان کے بارے میں گذشتہ سلاطین کی چند حکایات

کہتے ہیں کہ نجاشی حبشہ کا بادشاہ بہت ہی انصاف دوست اور سعادت مند تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کے ظہور کے زمانے میں حبشہ کا بادشاہ تھا اور اپنے علم کی بنیاد پر جو توریت اور زبور کا علم اسے حاصل تھا ایمان سے مشرف ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ پر اعتقاد رکھتا تھا۔ اور انہیں ہدیے بھیجتا تھا اور صحابہ کرام ہجرت کر کے اس کے پاس جاتے تھے حبش کا ملک اس کے باپ کی میراث تھا اور اس کے باپ کا سوائے اس کے کوئی بیٹا نہیں تھا اور اس کے باپ کا ایک بھائی تھا جس کے بارہ بیٹے تھے۔ وہاں کے لوگ اس خیال میں تھے کہ جب نجاشی کا باپ سوائے نجاشی کے اور کوئی بیٹا نہیں رکھتا اور اس کے بھائی کے بارہ بیٹے ہیں وہ اگر مرجائے تو اس ملک کی ملکیت باپ کے بھائی کے بیٹوں کو ملے گی۔ اور ملک حبشہ بیگانوں کے ہاتھ میں چلا جائے گا۔ نجاشی کے باپ کو لوگوں نے قتل کر دیا اور اس کے بھائی کو تخت پر بٹھا دیا۔ چونکہ بادشاہ کے تمام بیٹے نالائق تھے نجاشی کے چچا نے نجاشی کو اپنا مقرب بنا لیا۔ حبشہ کے تمام بڑے لوگ اس بات پر اتفاق کر گئے اور نجاشی کے چچا کے پاس گئے اور کہنے لگے ہم نے نجاشی کے باپ کو قتل کر دیا اور تجھے اس کی بجائے بادشاہ بنا دیا ہے اور تو نے اس (نجاشی) کو اپنا صاحب رائے اور مشیر بنا لیا ہے اس لیے وہ اپنے باپ کا انتقام ہم سے لے گا۔ اب جب تک تو اسے قتل نہیں کرے گا ہمیں چین نہیں آئے گا۔ نجاشی کے چچا نے کہا کہ اے قوم یہ بات جائز نہیں کہ کل اس کے باپ کو میں نے قتل کیا اور آج اس کو قتل کر دوں۔ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں تاکہ تم اسے کسی تاجر کے ہاتھ بیچ دو جو اسے ملک کی حدود سے باہر لے جائے۔ اہل

حبشہ نے نجاشی کو چھ سو درہم میں ایک تاجر کے ہاتھ بیچ دیا۔ تاجر سفر کا ارادہ کر کے کشتی میں بیٹھ گیا۔ چاہتا تھا کہ ملک سے باہر چلا جائے۔ اچانک بادل آئے اور خوب بارش ہو گئی جس سے تاجر کا باہر جانا موقوف ہو گیا۔ نجاشی کا چچا جو بادشاہ تھا سیر تماشے کے لئے باہر آیا ہوا تھا کہ اچانک آسمان سے بجلی اس پر گری اور وہ جل کر خاک ہو گیا حبشہ کے لوگوں نے جب اس کے بیٹوں میں بادشاہی کی قابلیت نہ دیکھی مجبوراً نجاشی کو تاجر کی کشتی سے نکالا اور تخت سلطنت پر بٹھایا اور تاج شاہی اس کے سر پر رکھ دیا تاجر اپنا پیسہ طلب کرنے کے لئے ان کے پاس آیا انہوں نے رقم ادا کرنے میں تاخیر کی۔ تاجر فریادی بن کر بادشاہ کے پاس آیا اور کہا کل ایک غلام کو چھ سو درہم میں مجھے فروخت کیا۔ رات کو غلام کو مجھ سے چھین کر لے گئے' نہ میری رقم واپس کرتے ہیں اور نہ غلام کو ہی میرے حوالے کرتے ہیں۔ نجاشی نے کہا اس کی رقم لوٹا دو یا اس کا غلام اسے واپس کر دو' خواہ اس وقت وہ تخت شاہی پر ہی کیوں نہ ہو۔ جب لوگوں نے نجاشی کی یہ بات سنی تو انہوں نے تاجر کی رقم واپس کر دی۔ پہلی چیز جو نجاشی سے عدل و انصاف کے بارے میں دیکھی گئی وہ یہ تھی کہ اس نے اس آیت کے مطابق عمل کیا کہ تم انصاف کے ساتھ قائم رہو۔ اللہ کے لئے شہادت دو' خواہ وہ تمہاری ذات سے ہی متعلق کیوں نہ ہو..... اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

حکایت نمبرا

عمرو لیث ایک بادشاہ تھا بہت ہی بدخو جس نے بیس سال حکومت کی۔ خراسان' عراق' فارس' کرمان سیستان' قہستان اور ماژندران کے علاقے اس کے زیر تسلط رہے۔ اس نے خلیفہ معتضد باللہ سے مخالفت کی۔ خلیفہ نے اسماعیل سامانی کو بارہ ہزار آدمی دے کر اس کے خلاف جنگ کے لیے بھیجا۔ اسماعیل کا گزر شہر ہرات سے ہوا۔ اس راستے کی گلی میں ایک باغ تھا جس میں سیبوں سے لدے ہوئے درخت تھے اسماعیل نے ایک غلام کو پوشیدہ طور پر وہاں مقرر کیا تاکہ وہ یہ دیکھے کہ کوئی ان سیبوں کو توڑتا تو نہیں۔ تمام لشکر وہاں سے گزر گیا اور کسی نے

ایک سیب بھی نہیں توڑا۔ اسماعیل نے اپنے لشکر میں عدالت و انصاف دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا اور فتح و ظفر کی امید باندھی۔ عمرو لیث اسی ہزار مسلح فوجیوں کے ساتھ میدان میں آیا۔ جب فریقین نے صفیں باندھیں اور طبل جنگ بجا عمرو لیث کا گھوڑا بدک گیا اور بے اختیار ہو کر اسماعیل کے لشکر میں اسے لے گیا۔ بغیر جنگ کیے عمرو لیث گرفتار ہو گیا۔ اس کا لشکر شکست کھا کر بھاگ گیا اسے اپنے خیمے ہی میں قید کر دیا گیا۔ اچانک اس کا ایک ملازم وہاں سے گزرا۔ عمرو لیث نے اسے بلایا اور کہا، میرے لیے کھانا تیار کرو ملازم تھوڑا سا گوشت لایا، دیگچی میں ڈالا اور خود کسی ضرورت کے سلسلے میں باہر چلا گیا، ایک کتا آیا اور اپنا سر دیگچی میں ڈالا، دیگچی کا گھیرا اس کی گردن میں پھنس گیا اور وہ چاروں طرف دیگچی کے ساتھ دوڑنے لگا۔ عمرو لیث نے جب یہ حال دیکھا تو ہنسا اور کہنے لگا کہ آج میرے امیر مطبخ نے شکایت کی تھی کہ تین سو اونٹ میرے باورچی خانے کے لئے ناکافی ہوتے ہیں، ان میں اضافہ کیا جائے اب یہ دیکھ رہا ہوں کہ میرے باورچی خانے میں اتنا ہی گوشت ہے کہ ایک کتا بھی اسے آسانی سے اٹھا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے۔ عمرو لیث معتضد کے قید خانے میں دو سال مقید رہا۔ اسے کچھ کھانے کو نہیں دیا گیا اور وہاں بھوکا مر گیا۔ سبحان اللہ جس کے باورچی خانے کا بوجھ اٹھانے کے لئے تین سو اونٹ ناکافی ہوتے تھے اس نے بھوک سے جان دی۔ اے وہ شخص جو آسمان کی گردش سے محفوظ ہے۔ خبردار! پانی پر بھروسہ کئے ہوئے ہے۔ ہوش رکھ۔

حکایت نمبر ۲

ایک فقیر خلیفہ المعتصم باللہ محمد بن ہارون الرشید کے دروازے پر آیا اور محافظ سے کہا کہ خلیفہ سے جا کر کہو کہ ایک لاکھ درہم مجھے دے دے۔ محافظ ہنسا درویش نے کہا کس لیے ہنسے ہو میں نے طلب کیا ہے تو میرے پیغام کو بادشاہ تک پہنچا دے، امیرالمومنین کا کام سننا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کام آسان کرنا ہے۔ محافظ نے یہ سنا اور یہ پیغام خلیفہ تک پہنچایا۔ خلیفہ نے کچھ دیر سوچا اور کہا کہ جو کچھ وہ مانگتا

ہے وہ دے دو چونکہ اس نے مانگ لیا' تو نے پیغام پہنچا دیا' میں نے سن لیا' اب مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقصیر عائد نہیں کی جانی چاہیے۔ جب وہ مال فقیر کے پاس لائے تو اس نے قبول نہ کیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تو نے جو مانگا تھا وہ تجھے ملا نہیں۔ اس فقیر نے کہا کہ کل میں نے خدا سے فریاد کی تھی اور کہا تھا کہ اے اللہ تعالیٰ تو نے ایسے لوگوں کو مخلوق خدا پر حاکم بنا دیا ہے جو اس منصب کے لائق نہیں۔ ہاتف نے آواز دی کہ جا اور اسے آزما تاکہ تجھے حقیقت حال معلوم ہو جائے۔ جب یہ بات خلیفہ تک پہنچی تو اس نے فرمایا کہ اس مال کو دگنا کر کے فقرا کو بخش دیا جائے' اس شکرانے کے طور پر کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے اس درویش کے سامنے شرمندہ نہیں کیا۔

حکایت نمبر ۳

ایک جماعت نے نظام الملک کے پاس درخواست پیش کی کہ ایک دولت مند کا انتقال ہو گیا ہے اور سوائے ایک بھانجے کے اور اس کا کوئی وارث نہیں۔ اس نے بہت سا مال چھوڑا ہے یہ تمام بیت المال میں جمع کر لینا چاہیے۔ نظام الملک نے یہ بات ملک شاہ کے سامنے پیش کی اس نے کوئی جواب نہ دیا تین بار اس نے ایسا کیا پس ملک شاہ نے کہا کہ کل میں تمہیں اس بات کا جواب دوں گا۔ اگلے دن شکار کے لیے نکلا۔ نظام الملک بیت المال میں اضافے کے خیال سے بادشاہ کے پیچھے پیچھے چلا۔ جب ملک شاہ شکار سے واپس آیا اس کا گزر لشکر گاہ کے بازار سے ہوا۔ اس نے اپنے ایک خواص کو کہا کہ کھانے کے لئے کچھ چیزیں خرید کر لے آئے۔ تمام امرا اور حکام کو جو بادشاہ کی خدمت میں موجود تھے یہ کھانا کھلایا گیا سب کے لیے کافی ہو گیا۔ اس (ملک شاہ) نے پھر بعد میں نظام الملک کی طرف رخ کر کے کہا کہ ملک شاہ جیسا کمزور بندہ اور نظام الملک جیسا وزیر اور پچاس دوسرے امرا اور حکام ساڑھے چار دانگ سے سیر گئے تو پھر ہم یتیموں کے مال کی ہوس کیوں کریں۔

حکایت نمبر ۴

بیان کرتے ہیں کہ ملک شاہ بن الپ ارسلان شکار کو گیا ہوا تھا۔ لشکر سے دور چلا گیا اسے بھوک لگی ہوئی تھی اس نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنی کھیتی کو پانی دے رہا تھا۔ اس (ملک شاہ) نے کہا کہ اے دیہاتی تمہارے پاس روٹی ہے۔ اس نے جواب دیا میرے پاس روٹی تو ہے لیکن تمہارے لیے نہیں بادشاہ نے کہا فضول بات مت کرو روٹی دو۔ دیہاتی نے کہا کہ تم فضول بات کر رہے ہو اور بغیر کسی حق کے روٹی مانگ رہے ہو۔ سلطان اس سے یہ سمجھ گیا کہ یہ آدمی بہادر اور دلیر ہے۔ اس (بادشاہ) نے اپنی کمر سے چھری کھولی اور کہا کہ یہ لے لو اور مجھے روٹی دو۔ دیہاتی نے کہا کہ یہ چھری کسی ہوٹل والے کے پاس لے جاؤ جسے تم بعد میں پا بھی سکو۔ جب میں اپنی کھیت سے باہر چلا جاؤں گا تو تم مجھے کہاں پاؤ گے اور یہ اپنی چھری کیسے واپس لو گے۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ چھری میں نے تمہیں بخشی۔ دیہاتی نے کہا کہ کیا اس بہتر یہ نہیں ہو گا کہ تم مجھے معاف کرو اور مجھ سے کچھ نہ مانگو۔ ملک شاہ نے جانا چاہا تو دیہاتی نے اس کی باگ پکڑ لی اور اس کی رکاب مبارک کو بوسہ دیا اور کہا میں معذرت چاہتا ہوں کہ میں مذاق کر رہا تھا۔ پس سلطان سے کہا کہ آپ گھوڑے سے اتر آئیں اور جو کھانا اس کے پاس تھا بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور ساتھ ہی ایک بھیڑ کے کباب بنا کر اسے پیش کیے اور مزاحیہ قصے سنا کر سلطان کو ہنساتا رہا یہاں تک کہ سلطان کا لشکر وہاں پہنچ گیا اور دیہاتی کو یہ معلوم ہوا کہ وہ سلطان ہے اس نے سر جھکایا اور آداب بجالایا۔ سلطان نے کھانا کھایا اور سوار ہو گیا۔ سلطان نے کہا کہ تم ہماری بارگاہ میں آؤ تاکہ ہم تیری دعوت کا حق ادا کر سکیں۔ دیہاتی نے کہا کہ ہم سلطان کے سائے میں آسودگی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ میں نے جو خدمت کی وہ اس لائق نہیں کہ میں اس کا بدلہ لوں اور ہم میں یہ رسم بھی نہیں ہے کہ ہم مہمان سے کھانے کی قیمت لیں۔ سلطان کو اس کی بات بہت پسند آئی اس کے بعد سلطان نے بہت دنوں انتظار کیا لیکن وہ دیہاتی سلطان کے دربار میں نہیں گیا۔ سلطان نے کچھ لوگوں کو اس بات پر مقرر کیا کہ اس سے پوچھیں کہ سلطان تیرا مہمان رہا ہے اس نے یہ بات کسی سے

نہیں کہی۔ سلطان کو اس آدمی کی ہمت پر تعجب ہوا اور حکم دیا کہ اس گاؤں کو خرید کر اس کی اولاد کے لیے وقف کر دیا جائے۔

حکایت نمبر ۵

اسحاق بن ابراہیم موصلی یہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں امیرالمومنین معتصم کی خدمت میں تھا اس نے مجھے (اسحاق بن ابراہیم موصلی کو) کہا کہ میرے بھائی مامون نے ایک جماعت کو چنا' ان کی کی تربیت کی اور وہ تمام لوگ لائق نکلے اور ان کے کارنامے مشہور ہیں۔ پھر اس (معتصم) نے بھی ایک جماعت کو چنا ان کو اعلیٰ مرتبے دیئے' کسی میں میں نے لیاقت نہ دیکھی بلکہ انہوں نے میرے احسان کے بدلے میں برائی کی۔ میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین اس (مامون) نے اصل کو پکڑا اور آپ نے شاخ کو پکڑا۔ اس (مامون) نے ایسے لوگوں کو چنا' جو تربیت کے لائق تھے اور جو نالائق تھے انہیں نہیں چنا اس لیے اس کی تربیت سے وہ لوگ درست ہوئے۔ امیرالمومنین شاخ پر نظر رکھتے ہیں اور جو بھی دربار میں آتا ہے اسے منتخب کر لیتے ہیں' ایسے لوگ تربیت سے درست نہیں ہوتے اور پشیمانی کا سبب بنتے ہیں۔ معتصم نے کہا کہ کاش اس بات کو میں تجھ سے پہلے پوچھ لیتا تاکہ جو میں نے کیا ہے اسے نہ کرتا۔

میں نے کمینوں سے وفا نہیں دیکھی اگر تو نے دیکھی ہو تو میرا سلام انہیں پہنچا دینا۔

حکایت نمبر ۶

بیان کرتے ہیں اس زمانے میں جب امیرالمومنین مامون نے خلافت کا جھنڈا بلند کیا اور اس کے احوال اور اس کی خوش خلقی کی باتیں سارے جہان میں پھیل گئیں' اس زمانے میں ایک اعرابی (بدو) تھا جو شورستان میں رہتا تھا اس قبیلے کے پاس سوائے کھارے پانی کے چشمے کے کچھ نہیں تھا۔ اور جو آسمان سے بارش ہوتی تھی وہ پانی بھی زمین کے کھارے پن کی وجہ سے کھارا ہو جاتا تھا' ایک زمانے میں اس علاقے میں قحط پڑ گیا۔ سارے قبیلے کے لوگ مختلف جگہوں پر چلے گئے وہ

اعرابی بھی اپنے مقام کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا گیا اور ارادہ کیا کہ خلیفہ کی بارگاہ میں جائے۔ وہ اعرابی جب اپنے علاقے کی حدود سے جو سارے کا سارا کھارا اور نمکین تھا باہر نکلا تو ایک ایسے مقام پر پہنچا کہ وہاں بارش کا پانی ایک تالاب میں جمع ہو گیا تھا اور صاف اور میٹھا ہو گیا تھا۔ اعرابی نے اس پانی کو پیا بڑا حیران ہوا اسے نہیں معلوم تھا کہ دنیا میں میٹھا اور شیریں پانی بھی ہوتا تھا، اس نے اس جیسا پانی نہ دیکھا تھا نہ چکھا تھا۔

وہ پرندہ جسے میٹھے پانی کی خبر نہیں اس کی چونچ میں سارا سال کھارا پانی ہی ہے۔ اس نے اپنے دل میں کہا خدا کی قسم یہ تو بہشت کا پانی ہے اور شاید خداوند تعالیٰ نے جنت سے یہ پانی بھیجا ہے تاکہ مجھے رنج و ملال سے رہائی دے اس پانی کا کچھ حصہ مشک میں ڈالوں اور امیرالمومنین کے لیے تحفہ لے جاؤں چونکہ اس (امیرالمومنین) نے ایسا پانی نہیں چکھا ہوگا۔ اس لیے وہ مجھے اچھا خلعت اور بہت بڑا انعام دے گا۔ اس نے مشک کو پانی سے بھرا اور بادشاہ کے دربار کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہ کوفے کے قریب پہنچا امیرالمومنین مامون بھی دریائے فرات کے کنارے آیا ہوا تھا اور اس علاقے میں شکار کر رہا تھا۔ اچانک وہ بدو وہاں پہنچا۔ امیرالمومنین نے اس کو دیکھا اور کہا اس بدو کو میرے پاس لے آؤ۔ جب اس بدو کو امیرالمومنین کی خدمت میں پیش کیا گیا تو مامون نے کہا اے بدو تم کہاں سے آ رہے ہو اس (بدو) نے کہا صحرا سے آ رہا ہوں۔ پوچھا کہاں جانے کا ارادہ ہے اس نے کہا امیرالمومنین کی خدمت میں جانے کا ارادہ ہے۔ میں امیرالمومنین کے لئے ایک تحفہ لایا ہوں کہ اس سے پہلے خلیفہ کو یہ دولت حاصل نہیں ہوئی ہو گی مامون نے پوچھا وہ تحفہ کیا ہے۔ بدو نے کہا کہ میں آب بہشت لایا ہوں جو بہت صاف اور خوشگوار ہے۔ مامون اپنی فراست سے سمجھ گیا کہ حقیقت کیا ہے اور فرمایا کہ لاؤ اس بہشت کے پانی کو ہم بھی تو چکھیں۔ عربی نے پانی کی وہ مشک پیش کی۔ امیرالمومنین نے ازراہ لطف و کرم تھوڑا سا پانی چکھا اور فرمایا کہ تم نے سچ کہا اے بدو تم یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو۔ اس نے کہا اے امیرالمومنین قحط اور تنگ دستی نے مجھے مجبور کیا کہ میں اپنے آبائی علاقے کو چھوڑ کر آوارہ گرد بن جاؤں اور

غربت و افلاس کے ہاتھوں پریشان حال ہو چکا ہوں۔ اب امیرالمومنین کی بارگاہ سے اس سے بڑھ کر اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ مامون نے فرمایا کہ میں تیری ضرورت پوری کروں گا شرط یہ ہے کہ تو یہیں سے لوٹ جائے اور اس سے آگے نہ جائے۔ بدو نے یہ بات قبول کرلی مامون نے حکم دیا کہ اس کی مشک کو سونے کے سکوں سے بھر دیا جائے۔ ایک محافظ اس کے ساتھ مقرر کیا تاکہ وہ وہیں سے روانہ ہو جائے۔ خواص اور مقربین نے پوچھا کہ امیرالمومنین کا اسے صحرا کی طرف لوٹانے میں کیا مقصد تھا۔ امیرالمومنین نے فرمایا کہ اگر وہ چند قدم آگے بڑھتا اور فرات کا پانی پی لیتا تو اپنے تحفے سے شرمندہ ہوتا اور میں اس بات سے شرم رکھتا ہوں کہ کوئی میری خدمت میں آئے اور کسی امید سے کوئی تحفہ میری خدمت میں پیش کرے اور پھر شرمندہ ہو کر واپس چلا جائے۔ کہتے ہیں کہ ایک روز امیرالمومنین خلیفہ معتصم باللہ شکار کے دوران کہیں دور نکل گیا اس نے راستے میں ایک بوڑھے کو دیکھا کہ جس نے ایک گدھے پر لکڑیاں لادی ہوئی تھیں اور وہ گدھا ایک ندی میں گرا ہوا تھا سخت پریشان اور حیران تھا اور سوچ رہا تھا کہ کوئی آئے اور اس کی مدد کرے اور گدھے پر لدی ہوئی لکڑیاں ندی کے پانی سے باہر نکالے۔ معتصم نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ اتریں اور گدھے کو لکڑیوں سمیت ندی سے باہر نکالیں لیکن ایسا ممکن نہ ہو سکا' امیرالمومنین خود اپنے گھوڑے سے اترے' رسی ہاتھ میں پکڑی اور پورے زور سے کھینچا وہ گدھا لکڑیوں کے بوجھ سمیت ندی سے باہر آگیا خلیفہ نے اس بوڑھے کو پانچ ہزار درہم عنایت فرمائے اور چلا گیا۔ اس بوڑھے نے شہر میں آکر اپنا گدھا فروخت کر دیا اور گھوڑا خرید لیا۔ اپنی کٹیا (مکان) کو بیچ دیا اور محل خرید لیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تیرے پاس یہ مال کہاں سے آیا ہے اس نے کہا کہ ایک مرد کریم سے میری ملاقات ہوئی اس نے مجھ پر کرم کیا اور یہ سب کچھ اسی کے کرم کا نتیجہ ہے۔

تواضع کا عجب کمال یہ ہے کہ اگر بلند مرتبے کی ساتھ تم عجز و انکسار کرو تو تمہارا مرتبہ آسمان سے بھی بلند تر ہو جاتا ہے۔

حکایت نمبر ۷

بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ پرویز (خسرو پرویز' ساسانی خاندان کا مشہور بادشاہ) اپنے محافظین میں سے ایک محافظ (دربان) سے ناراض ہو گیا اور اسے اپنے گھر میں نظر بند کر دیا' وہ بیچارہ ایک مدت تک قید میں رہا یہاں تک کہ غربت و افلاس سے اس کا برا حال ہو گیا- ایک دن اس محافظ نے یہ خبر پائی کہ پرویز نے ایک شاندار اور بہت بڑا محل تعمیر کیا ہے اور فلاں روز وہ وہاں دربار لگائے گا اور مجلس عیش سجائے گا- اس نے اپنے دوستوں میں سے ہر ایک کے پاس اپنے آدمی بھیجے اور ان سے ادھار لباس اور گھوڑا مانگا اور یوں وہ آراستہ ہو کر دربار میں آیا دربان اور محافظ یہ سمجھے کہ شاید بادشاہ نے اس کو معاف کر دیا ہے ورنہ کون ہے جو بادشاہ کی نافرمانی کرنے پر دلیر ہو- وہ بادشاہ کے سامنے پیش ہوا بادشاہ نے شراب پی رکھی تھی- اگرچہ بادشاہ اس سے بہت ہی ناراض تھا اور چاہتا تھا کہ اس کو سزا دے لیکن اس نے یہ پسند نہ کیا کہ جشن عیش و عشرت کو سزاؤں سے خراب کرے اس نے چشم پوشی کی اور کچھ نہ کہا- وہ دربان بارگاہ میں آیا اور مختلف کاموں میں ہاتھ بٹاتا رہا یہاں تک کہ موقع پا کر ایک سونے کی طشتری جس کا وزن ایک ہزار مثقال تھا اپنے کپڑوں میں چھپا کر باہر لے جا کر گھر لے گیا- پرویز نے یہ بات دیکھ لی- حاجب نے اس سونے کی طشتری کو توڑا اور اس طرح فقروفاقہ سے رہائی پائی- اگلے دن ملازمین نے اس طشتری کو تلاش کیا جب وہ نہ ملی تو کچھ لوگوں پر چوری کا الزام لگایا اور یہ چاہتے ہوئے کہ ان لوگوں کو سخت سزا دی جائے تاکہ وہ اقرار کر لیں- پرویز نے کہا کہ انہیں چھوڑ دو وہ شخص جو طشتری لے گیا ہے وہ واپس نہیں دے گا اور جس شخص نے دیکھا ہے وہ کسی سے دوبارہ کہے گا نہیں- ایک سال اس بات کو گزر گیا پرویز نے اسی محل میں پھر ایک جشن عیش ترتیب دیا- وہ دربان پھر پرویز کی خدمت میں حاضر ہوا پرویز نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا کہ شاید سونے کی طشتری تمام خرچ ہو گئی ہے- اس دربان نے بادشاہ کے قدموں میں گر کر کہا کہ جو کچھ میں نے کیا اس لیے کیا تھا تاکہ میں قتل کر دیا جاؤں کیونکہ بادشاہ کی ناراضگی سے میں اپنی زندگی سے تنگ آگیا ہوں- پرویز کو اس پر

رحم آیا اور اسے معاف کر کے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔

حکایت نمبر۸

کہتے ہیں کہ جس وقت مامون الرشید اپنے شاہی دبدبے کے ساتھ جا رہا تھا اور اس کی بارگاہ کے مقربین اور خواص بھی اس کے ہمراہ تھے ایک حاجت مند شخص نے ایک درخواست لکھی اور راستے میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا کہ جب خلیفہ اس راستے سے گزرے گا تو یہ درخواست اسے پیش کرے گا۔ اچانک خلیفہ اس جگہ پہنچ گیا۔ وہ مرد اٹھا اور اس نے اپنی درخواست کو ہوا میں لہرا دیا۔ مامون کا گھوڑا بدک گیا اور وہ گھوڑے کی پشت سے زمین پر گر گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں زخمی ہو گئے محافظین نے اس فقیر کو مارنے کا ارادہ کیا مامون نے انہیں منع کر دیا۔ زمین سے اٹھا اور گھوڑے کی پشت پر سوار ہوا اور اس اہل حاجت کو اپنے پاس بلایا وہ خوف سے کانپ رہا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ فوراً اس کے قتل کا حکم کر دے۔ مامون نے جب اس کی پریشانی اور خوف کو دیکھا اس کی درخواست پڑھی' دوات اور قلم منگوایا اور گھوڑے کی پیٹھ پر ہی جواب لکھ دیا اور اس کی ضرورت پوری کر دی۔

حکایت نمبر۹

بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہارون الرشید قرآن پاک پڑھ رہا تھا' فرعون کے واقعے کے ضمن میں جب اس آیت پر پہنچا کہ کیا ملک مصر میرا نہیں ہے اور یہ نہریں میرے ماتحت نہیں چلتیں۔ فرعون ملک مصر پر فخر و ناز کرتا تھا اور خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور اپنے آپ کو موسیٰ علیہ السلام سے افضل و اعلیٰ بتاتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اس مرد خوار و بے زبان کی کیا حیثیت ہے' میرے پاس مصر کی بادشاہیت ہے' جنت کی نہروں کی طرح یہاں پر نہریں جاری ہیں۔ ہارون الرشید کو اس فرعون باغی اور کافر کی دشمنی اور تعصب نے اس بات پر آمادہ کیا کہ ملک مصر کو ایک نہایت بخیل و حقیر انسان کو بخش دے تاکہ دنیا والے یہ جان لیں کہ جس آدمی میں ایمان اور بھلائی نہ ہو خداوند تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ ہارون نے اپنے حاجب کو بلایا اور حکم دیا کہ شہر بغداد میں گھوم کر دیکھے کہ سب

سے زیادہ حقیر کون سا شخص ہے اور اسے ہماری بارگاہ میں پیش کرے۔ حاجب نے ایسے شخص کی تلاش میں پوری کوشش کی اس نے دیکھا کہ ایک آدمی زمین پر لیٹا ہوا ہے اور خون اس کے جسم سے بہہ رہا ہے اور چند کتے اس کے پاس لیٹے ہوئے۔ حاجب نے کہا کہ دنیا میں سب سے مسکین ترین یہی شخص ہے جو کتوں کے طفیل روٹی کھاتا ہے، پس اسے امیرالمومنین کے پاس لے گیا۔ امیرالمومنین نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے۔ اس نے کہا طولون۔ پوچھا کیا کام کرتے ہو جواب دیا کتے پالتا ہوں۔ ہارون نے کہا اگر میں تمہیں کسی ملک کا گورنر بنا دوں تو گورنری کرو گے۔ اس نے کہا اگر امیرالمومنین مجھے اس لائق سمجھتے ہیں تو یقیناً میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کا سامان سفر تیار کریں اور ملک مصر کی گورنری کا فرمان اس کے نام لکھا گیا، اسی وقت اس کو خلعت فاخرہ عطا کیا گیا اور مصر روانہ کیا گیا۔ جب طولون مصر میں پہنچا تو ایک مدت تک ملک مصر میں رہا اس کا ایک بیٹا احمد طولون کے نام سے ہوا ہے جو بہت نیک دل، سخی اور دولت مند تھا۔ احمد طولون ہر روز نیا لباس پہنتا جس کی قیمت پانچ سو دینار ہوتی اور رات کو اسے بخش دیتا۔ جب اس نے خلعت شاہی بہت زیادہ بخشنے شروع کیے تو اس کے وکیل وہی لباس تھوڑے داموں میں خرید کر اس کے پاس لے آتے۔ احمد طولون کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ خلعت شاہی کو پہلے عیب دار کر دیتا تھا اور پھر بخشتا تھا۔ احمد طولون بہت زیادہ صاحب فراست تھا اس نے ایک دن ایک حمال (مزدور) کو دیکھا جو اپنے سر پر سامان لادے ہوئے تھا لیکن بہت زیادہ پریشان نظر آرہا تھا۔ احمد طولون نے دل میں کہا کہ اگر اس کی پریشانی گرانباری کی وجہ سے ہوتی تو اس مزدور کی گردن حرکت کرتی جب کہ اس کی گردن حرکت نہیں کر رہی، پس اس کا اضطراب کسی خوف کی وجہ سے ہے۔ اس نے حکم دیا کہ اس کے سر سے سامان اتارا جائے اس سامان میں ایک کنیز کو جو قتل کی جا چکی تھی پایا گیا، اس کے ٹکڑے ٹکڑے کیے ہوئے تھے۔ احمد نے اس مزدور سے کہا کہ سچ سچ بتاؤ کہ حقیقت حال کیا ہے اس نے بتایا کہ فلاں گھر میں چار آدمی رہتے ہیں انہوں نے مجھے چند دینار دیئے تاکہ اس سامان کو باہر پھینک آؤں۔ احمد نے حکم دیا کہ مزدور کو دو سو کوڑے

مارے جائیں اور ان چاروں آدمیوں کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔ کہتے ہیں کہ احمد طولون اپنا لباس بدل کے باہر نکلتا تھا۔ مسجدوں میں گھومتا تھا اور اماان مسجد کی قرات کو سنتا تھا۔ ایک دن ایک غلام سے اس نے کہا کہ فلاں مسجد میں جاؤ اور مسجد کے امام کو چند دینار دے دو۔ غلام مسجد میں گیا اور امام کا حال دریافت کیا۔ امام نے بتایا کہ اس کی بیوی درد زہ میں گرفتار ہے' میرے پاس ایک پھوٹی کوڑی نہیں کہ جس سے میں اس کا علاج کرا سکوں۔ اسی پریشانی میں میں نے نماز میں چند بار غلطی بھی کی ہے۔ غلام احمد طولون کے پاس آیا اور اس سے تمام حال بیان کیا۔ احمد نے کہا امام سچ کہتا ہے اس نے چند بار نماز میں غلطی کی جس سے جان گیا کہ یقیناً وہ کسی پریشانی میں گرفتار ہے۔ ہارون نے طولون کے ساتھ کبھی حساب فہمی نہیں کی اور کبھی زیادہ مال کی توقع بھی نہیں کی۔ وہ ملک مصر کو باوجود اتنا بڑا ہونے کے کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔

حکایت نمبر ۱۰

اصمعی کہتا ہے کہ بنو امیہ کے خواص اور پروردہ لوگوں میں ایک شخص تھا جو ہارون الرشید کی خدمت میں آتا جاتا تھا وہ ایک ذہین اور عالم و فاضل آدمی تھا۔ ہارون نے اس سے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے بنوامیہ بہتر تھے یا ہم۔ اس شخص نے کہا کہ اے امیرالمومنین کہ آپ علم و فضل اور حسب و نسب میں ان سے بہتر ہیں اور خلافت میں بھی ان سے زیادہ مستحق ہیں' ہارون نے اس کو کہا کہ تم قسم کھاؤ کہ تم سچ بول رہے ہو اور منافقت نہیں کر رہے۔ اس نے کہا جب تم قسم کھانے کو کہہ رہے ہو تو پھر سچ ہی بولنا چاہیے تم لوگ باوجود اعلیٰ نسب اور بہتر استحقاق خلافت کے باوجود بہت سی خامیاں بھی رکھتے ہو' جلدی غصے ہو جاتے ہو اپنے فیصلے پر قائم نہیں رہتے' اعلیٰ خاندان کے افراد' اچھے لوگوں تجربہ کار اور قابل آدمیوں کی نگہداشت نہیں کرتے اور انہیں اپنے کام میں مستقل نہیں رکھتے ہو۔ وہ پودا جو تم خود کاشت کرتے ہو خود ہی اکھاڑ دیتے ہو اور جسے تم نے بلند مرتبہ دیا ذرا سی بات پر زمین پر پٹخ دیتے ہو۔ بنو امیہ اعلیٰ خاندان کے افراد نیک لوگوں پر اس طرح

رشک کرتے تھے کہ جس طرح اپنے حرم کی عورتوں کی وہ چاہتے تھے اور جن کو وہ بلند مرتبے بخشتے تھے، ان کی عزت کرتے تھے اور جس پودے کو وہ کاشت کرتے تھے اسے آفات زمانہ سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ملک مردوں کے ذریعے سے محفوظ کیا جاتا ہے دولت کو کفایت شعار اور سمجھ دار لوگوں کے ذریعے برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ بادشاہوں کو جب لائق افراد مل جاتے ہیں اور وہ اپنی مہمات کو سر کر لیا کرتے ہیں تو وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان اہل علم و فضل کے نہ ہونے کے باوجود ان کے معاملات ملکی بھی اسی طرح منظم رہیں گے۔ ایسا سوچنا ان بادشاہوں کی بہت بڑی غلطی ہے۔ تجربہ کار آدمی کہاں ملتے ہیں ان کی قدر کرنا اور ان کی عزت کی نگاہداشت کرنا ارباب حکومت کی ذمہ داری ہے اور میں جانتا ہوں کہ امیرالمومنین میری اس بات پر غصے ہوں گے لیکن بولنا بھی ضروری ہے۔ حجاج بن یوسف کو میں نے دیکھا ہے کہ بنو امیہ کے دو خلفا نے اسے برقرار رکھا باوجود اس کے کہ روئے زمین پر اس سے زیادہ کسی کو دشمن نہیں سمجھتے تھے پھر ابھی انہوں نے اس کو معزول نہیں کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ معاملات کے سلجھانے میں اس جیسا کوئی اور شخص نہیں ہے لیکن تم لوگوں کو جونہی غصہ آتا ہے اس بڑے درخت کو بھی جسے تم نے خود کاشت کیا تھا جڑ سے اکھاڑ دیتے ہو اور اپنے قدیم گھرانوں کو ایک لمحے میں درہم برہم کر دیتے ہو اور پھر ان کی جگہ نئے پودے لگاتے ہو اور پھر سمجھتے ہو کہ یہ بھی انہی لوگوں کی طرح نکلیں گے۔ اور ان لوگوں کے ذریعے سے کام سدھر جائے گا۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے مجھے ڈر ہے کہ میری اس بات سے امیرالمومنین کو برا لگے گا۔ اس کے بعد وہ اٹھا آداب بجا لایا اور چلا گیا اس کے بعد ہارون نے کہا کہ اے اصمعی اگر یہ بات تو مجھے پہلے بتا دیتا تو میں ہرگز برمک خاندان کو تباہ و برباد نہ کرتا۔

بازیافتنی

مرآۃ الحقائق

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کی اوّلین سوانح عمری

از منشی برکت علی حقی

شاہ انجم بخاری

مِرآۃُ الحقائق ☆۱

مِرآۃُ الحقائق، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز (۹۵۸ھ۔۱۰۵۲ھ) کی اوّلین سوانح عمری ہے جو آپ ہی کے اخلاف میں سے منشی برکت علی کی تالیف لطیف ہے۔ آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے: منشی برکت علی بن خیرات علی بن غلام حسن بن کمال الدین بن صبغۃ اللہ بن

☆۱ ''مِرآۃُ الحقائق'' کا ایک ایسا نسخہ اُستاذی المکرّم ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم کے کتاب خانے میں ہے جو کبھی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے اخلاف میں سے ایک صاحب ''محمد اسلام الحق حقی'' کے تصرّف اور ملکیت میں رہا ہے۔ اس کتاب کے بعض مقامات پر ان کے قلم کے اضافے بھی ہیں اور صفحہ نمبر ۱۵۰ پر ان کا حال بھی درجِ کتاب ہے۔ علاوہ ازیں یہ کتاب محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ کے استعمال میں بھی رہی ہے اور اس کے بعض مقامات پر آپ کے قلم کی تحریرات بھی موجود ہیں۔

خوش قسمتی سے ہمیں اس نسخے کی مکرّر زیارت نصیب ہو رہی ہے۔ احقر نے اُستاذ مکرّم کی حینِ حیات بھی اس سے استفادہ کیا تھا اور اب ان کی وفات کے بعد ان کے برادر خُرد محترمی جناب ناصر الدین (اللہ تعالیٰ انھیں تندرستی عطا فرمائے) کی عنایت سے مکرّر استفادے کا موقع مل رہا ہے۔ ہم محترم ناصر الدین صاحب کے شکر گزار ہیں اور اُستاذی المکرّم کی مغفرت اور ترقیِ درجات کے لیے بھی دعا گو ہیں۔ اس کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے مِرآۃُ الحقائق اور اس کے مؤلف کے بارے میں چند ضروری معلومات قارئین کی نذر کی جاتی ہیں۔ (ش الف)

حضرت سیف اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نبیرۂ اوّل حضرت شیخ نور الحق قدس سرہ۔

یہ کتاب پہلی بار مطبع عزیزی رام پور میں ۱۳۲۳ھ میں طبع ہوئی تھی۔ کتاب کے آخر میں مؤلف کا ''قطعۂ تاریخِ اختتام و طبع کتاب ہٰذا'' بھی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ''پلول'' میں تحریر ہوئی جو دہلی سے چھتیس میل جانبِ آگرہ واقع ہے۔ علاوہ ازیں اس قطعۂ تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پہلے پہل ریل گاڑی کب رواں ہوئی تھی۔ قطعۂ تاریخ ملاحظہ ہو:

''قطعۂ تاریخ اختتام و طبع کتاب ہٰذا''

۱۳۲۰ھ

ہوئی مختتم یہ کتابِ نفیس — بماہِ صفر تیرہ سو اور بیس

مئی تھا، تھے اونیس سو اور دو (۱۹۰۲ء) — یہ ہے عیسوی سال و ماہ اے انیس

ہوئی خاص پلول میں تحریر یہ — جو دہلی سے چھ میل ہے اور تیس

یہ دہلی سے ہے جانبِ آگرہ — یہاں ہیں زیادہ مسلمان رئیس

سہ اور بیس (۱۳۲۳) اور تیرہ سو میں یہ نقش — ہوا طبع مطبوع طبع و نفیس

ہوئی درمیان طبع و تصنیف کے — رواں ریل گاڑی یہاں اے جلیس

جو جاتے تھے دہلی کو دو روز میں — دو ساعت میں اب جاتے ہیں اے انیس

یہ مضمون دو روزہ تھا کیسا اَدق — ہوا فضلِ یزداں سے کیسا سلیس

ہوئی دستِ برکت سے ختم اب کتاب

جو مشہور منشی ہے اور خوش نویس

مؤلف کے مندرجہ بالا قطعۂ تاریخ سے طباعت کا سنہ ۱۳۲۳ھ ظاہر ہوتا ہے جب کہ مولانا محمد عبد العلی صاحب آسی مدراسی لکھنوی پروفیسر عربی و فارسی نے خاتمۃ الطبع میں جو قصیدہ لکھا ہے، اس کی تاریخ سے ۱۳۲۲ھ برآمد ہوتے ہیں:

حال شیخ دہلوی شد چاپ

۱۳۲۲ھ

اب اگر خاتمۃ الطبع کی تاریخ کو مؤلف کی کہی گئی تاریخ پر ترجیح دی جائے تو پھر اس کتاب کا سنہ طباعت ۱۳۲۲ھ شمار ہوگا۔

منشی برکت علی نے اپنی ۲۸ سال کی ملازمت (''سررشتہ داری فوجداری وکلکٹری وکمشنری'' ص ۸۷) میں یہ کتاب تحریر کی تھی۔ اس میں انھوں نے ۱۹۰۲ء/۱۳۱۹ھ تک کے حالات درج کیے ہیں۔

مؤلف نے بڑی عرق ریزی سے خاندانِ حقی کا شجرۂ نسب ترتیب دیا ہے اور اسے بڑی عمدگی سے متعدد نقشہ جات کی مدد سے بیان کیا ہے اس ضمن میں انھوں نے ہر خاندان کے افراد کی تعداد، ان کے نام، ان کی تعلیمی استعداد و لیاقت اور معاشی کیفیت کی صورتِ حال بھی بیان کر دی ہے۔ ان مقامات پر حاشیے میں اسلام الحق حقی کے قلم سے بعض حذف و اضافے بھی کیے گئے ہیں۔ مؤلف نے خاندانِ حقی کے ان افراد کا بھی تفصیلی تذکرہ کیا ہے جو پرانی دہلی سے دہلیِ جدید (شاہجہاں آباد) میں آباد ہو گئے تھے۔ ''نادر شاہی لوٹ'' میں خاندان کے کون کون افراد متاثر ہوئے، ان کے احوال کے ساتھ ہی ساتھ اس قیامت خیز ہنگامے کی بھی کچھ جھلکیاں انھوں نے دکھائی ہیں۔

خاندانِ حقی کی علمی خدمات کو ''مرآۃ الحقائق'' کی مدد سے جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب ''حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی'' میں بیان کر دیا ہے لیکن منشی برکت علی کی کسی کتاب کا نام نظر نہیں آتا۔ مرآۃ الحقائق میں درج آپ کی مندرجہ ذیل سات کتابوں کے نام یہ ہیں:

(۱) رہنمائے حجاج (جلد ضخیم) اُردو۔ مطبوعہ ۱۸۹۱ء مطبع مہر نیمروز واقع ضلع بجنور

(۲) کشف الکرامات (بزرگانِ الٰہ آباد مع دیگر کوائف) تاریخ تصنیف ۱۸۸۴ء/۱۳۰۱ھ۔

(۳) سیّد التواریخ (قبل از موجودات تا عہد جناب سرور کائنات ﷺ) تاریخ تصنیف ۱۸۸۴ء/۱۳۰۱ھ۔

(۴) کشف الالفاظ (فارسی)

(۵) انشاء برکت (جلد ضخیم)

(۶) تذکرۂ پولیس

(۷) بیاض (جلد ضخیم)

"مرآۃ الحقائق" کے مآخذ:

کتاب کے مآخذ کے بارے میں مؤلف رقم طراز ہیں:

"بندۂ برکت علی ابن محمد خیرات علی از اولاد حضرت شیخ عبدالحق محدث قدس سرہٗ، حالات ستودہ صفات، جناب مرحوم ومغفور جدِ اعلای خود آغاز پیدائش سے تا یوم ممات حضرت ممدوح بطور وقائع عمری جہاں تک کہ احقر کو کتب مفصلۂ ذیل مؤلفۂ آنجناب بالالقاب۔ یعنی (۱) اخبار الاخیار (۲) زاد المتقین (۳) صلوٰۃ الاسرار (۴) رسالۂ وصیت (۵) زبدۃ الآثار (۶) فتح المنان (۷) فہرس التوالیف (۸) المکاتیب والرسائل (۹) شرح عربی مشکوٰۃ شریف (۱۰) شرح سفر السعادت۔ و نیز کتب مصرحۂ ذیل مصنفہ و دیگر بزرگان۔ یعنی (۱) شاہجہان نامہ مصنفہ منشی محمد امین الدین قزوینی (۲) احسن التواریخ مصنفۂ مولوی عبدالاوّل جونپوری (۳) مآثر الکرام تاریخ مشائخ بلگرام۔ (۴) فتح العارفین نارنولی (۵) شرحِ قران السعدین مصنفۂ حضرت شیخ نورالحق۔ اور نیز جو کچھ حسبِ فرمودۂ بزرگانِ خود و یا بعض علمائے بزرگ سے معلوم ہو سکے وہ علی الترتیب معرض تحریر میں لاتا ہے"۔ (ایضاً: ص ۱)

یہ کتاب ذولسانی (فارسی۔اُردو) خصوصیات کی حامل ہے۔ مؤلف نے بیان کیا ہے کہ وہ اسے فارسی ہی میں لکھنا چاہتے تھے "لیکن جب کہ اوسکے آگے عبارت نوشتۂ حضرت کے لکھنے کی نوبت آئی۔ اور ایسا اتفاق متواتر ہوا۔ تو میری فارسی بہت ہی بے وقعت نظر آئی۔ اس لیے اس کے لکھنے سے درگزر کرکے تحریر اُردو عمل میں لایا"۔ (ص ۲)

مؤلف نے اس کتاب میں اپنے خاندان کا شجرہ حسب ذیل دو قسم پر لکھا ہے:

"قسم اوّل: از حضرت آقا محمد تا حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ و نیز ہر سہ فرزندان حضرت کے باندراج کیفیت اجمالی ہر واحد۔

قسم دوم: حضرت شیخ عبدالحق رحمہٗ اللہ تعالیٰ سے مجھ احقر العباد برکت علی عفا اللہ الولی تک'' (ایضاً: ص ۱)

اُردو شعر و ادب:

اُردو شعر و ادب کے حوالے سے بھی بعض اہم شخصیات کا ذکر اس کتاب میں ملتا ہے۔ مثلاً صفحہ نمبر ۱۳۷ پر مرزا داغ دہلوی کے شاگرد اور مؤلف ''مِرآۃ الحقائق'' کے پوتے ''وحید الحق'' بن فرید الحق (☆۱) کا ذکر، شان الحق حقی کے والد احتشام الدین حقی کے علاوہ مولوی نذیر احمد دہلوی کے نواسوں مشرف الحق اور اشرف الحق کے تذکرے بھی صفحہ نمبر ۱۴۹ پر ملتے ہیں۔

آخر الذکر ہر دو کے والد خان بہادر محمد شرف الحق، مولوی محمد انوار الحق خان بہادر (☆۲) کے حقیقی بھائی تھے۔

مشرف الحق کے نام کے آگے کتاب ہٰذا کے مالک اوّل محمد اسلام الحق حقی کے قلم سے مندرجہ ذیل اضافہ بھی کیا گیا ہے:

''جرمنی میں پی ایچ ڈی کی معراج حاصل کی''

جب کہ اشرف الحق کے ذیل میں انھوں نے لکھا ہے:

''ایم بی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند ولایت میں پائی'' (قلمی حاشیہ بر صفحہ ۱۴۹)

تحقیقات:

مؤلف نے اس کتاب میں حضرت شیخ محدث علیہ الرحمہ اور حضرت شیخ نور الحق علیہ الرحمہ کی بعض تحریروں کی تشریحات اور تحقیقات بھی پیش کی ہیں۔ مثلاً:

○ مزارِ حضرت شیخ عبدالحق رحمہٗ اللہ تعالیٰ کی لوحِ بالیں پر حضرت شیخ نور الحق علیہ الرحمہ کی

☆۱ اس [وحید الحق] نے شعر گوئی میں بھی اچھی مہارت بہم پہنچائی ہے اور شاگرد مرزا داغ دہلوی کا ہے''۔ (ایضاً ص ۱۳۷)

☆۲ مولوی محمد انوار الحق اور محمد شرف الحق کے ناموں کے آگے ''خان بہادر'' کا لقب سرخ قلم سے لکھا ہوا ہے جو غالباً اسلام الحق حقی ہی کا تحریر کردہ ہے۔ (ش الف)

تحریر کردہ جو عبارت کندہ ہے اس کے مندرجہ ذیل چار الفاظ کی نسبت تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ''مطابق واقعہ کے نہیں ہیں''۔ (ص ۹۴)

مذکورہ الفاظ یہ ہیں:

''یعنی (۱) عنفوان جوانی و (۲) مدتے مدیدو (۳) بصد مجلدو (۴) پانصد ہزار ابیات کے مجھ کو جائے کلام ہے''۔ (۹۴)

ذیل میں اختصار سے کام لیتے ہوئے مؤلف کی تشریحات کے اہم اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

اوّل: عنفوان جوانی (در عنفوان جوانی جاذبہ الٰہی در رسید، بہ یکبار دل از یار و دیار برکندہ متوجہ حرمین محترمین گشت) کے سلسلے میں مؤلف نے اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت شیخ اجل علیہ الرحمہ ''۹۹۶ھ میں بروقت پہنچنے جاذبۂ الٰہی کے عمر شریف کا انتالیسواں سال تھا۔ اور تینوں صاحبزادے حضرت کے پیدا ہو چکے تھے۔ کہ ہنگام پہنچنے مکۂ معظمہ کے آپ نے حال اہل و عیال اپنے کا حضرت شیخ عبدالوہاب متقی علیہ الرحمہ سے کہا تھا۔۔۔ تو اس وقت ''عنفوان جوانی'' کہاں تھا۔ بلکہ عنفوان پیری تھا۔ چونکہ ربط لفظ عنفوان کا جوانی کے ساتھ رکھا گیا ہے اس لیے بجائے لفظ پیری عنفوان کے آگے لفظ جوانی سہواً رقم ہو جانا معلوم ہوتا ہے''۔ (ص ۹۵-۹۴)

دوم: مدتے مدید (مدتے مدید بآن مقامات شریفہ اقامت۔۔۔ الخ) کے سلسلے میں مؤلف اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''کہ یہ سفر آمد و رفت حضرتِ ممدوح کا مع اقامت مقامات شریفہ وہاں کے چہار سال سے زیادہ ہرگز نہیں ہوا۔۔۔ تو لفظ مدتے مدید چہار سال کے واسطے موزوں نہیں ہے۔۔۔ مدتے مدید کو عرفی معنی پر (کہ تیس چالیس برس یا ساٹھ برس سمجھے جاتے ہیں) اس جگہ پر قائم رکھا جاوے۔۔۔ اور حضرت شیخ کا قیام مکۂ معظمہ میں بلحاظ اس لفظ کے تا مدت دراز یعنی زائد از چہار سال قرار دیا جاوے تو بعد واپس آنے حضرت کے مدت باون سال دو ماہ کی ہوئی۔ تو اسی تفصیل سے اُس کی میزان برابر آسکتی ہے۔ کہ شروع ۹۵۸ھ نو

سوا اٹھاون یعنی روز پیدائش سے تا آغاز ۹۹۶ھ نوسو چھیانوے یعنی اڑتیس سال دہلی میں رہے۔ اور ۹۹۶ھ نوسو چھیانوے سے تا آخر ۹۹۹ھ یعنی تخمیناً چہار سال اس سفر مبارک میں گزرے۔ اور ۱۰۰۰ھ سے تا اوائل ۱۰۵۲ھ ایک ہزار باون یعنی باون سال اقامت گزین دہلی رہے کہ جس کا مجموعہ چورانوے (۹۴) سال ہوا۔ اور دو مہینے کی کسرات آمد و رفت میں سمجھنے چاہئیں ہاں اگر بخلاف خیال و استعمال زمانہ حال کے اتنی مدتِ قلیل یعنی چہار سال بھی اس زمانے کے محاورے میں بہ لفظ مدتے مدید مستعمل ہوتی ہو تو کچھ جائے کلام نہیں ہے"۔ (ص ۹۶-۹۵)

سوم: "یہ جو رقم ہے (کہ تصانیف این فیاض والا گہر از صغیر و کبیر بصد مجلد و بحسبِ شمار ابیات بہ پانصد ہزار رسیدہ است) سو تحریر تعداد ابیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعداد تصانیف صرف مندرجہ فہرس التوالیف کی قائم کی گئی ہے۔ اور جو تصانیف کہ بعد فہرست موصوفہ ہوئیں وہ قلم انداز کی گئیں۔ لہٰذا میں نسبت تعداد انھیں کتابوں کے گزارش کرتا ہوں۔ کہ اگر اڑتالیس کتاب جداگانہ مندرجہ فہرست اوّل۔ اور اڑسٹھ عدد المکاتیب والرسائل مندرجہ فہرست دوم (کہ یہ دونوں فہرست یکے بعد دیگرے مندرج فہرس التوالیف ہیں) شمار میں آویں تو ایک سو سولہ (۱۱۶) جلد ہوتی ہیں۔ بصد مجلد کسی طرح نہیں ہوسکتیں۔

یہ لفظ (بصد مجلد) کا غالباً اس وجہ سے لکھا گیا کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے زیر ہر دو فہرست یہ تحریر فرمادیا ہے۔ این کتب و رسائل (یعنی اڑتالیس) کہ نگاشتہ آمد از چہل متجاوز است وشمار این رسائل (یعنی اڑسٹھ) از شصت بالا۔

تو پس صرف چہل و شصت پر نظر کر کے سو (۱۰۰) جلد لکھ دی گئیں۔ اور لفظ متجاوز و بالا پر خیال نہیں کیا گیا۔ سوائے اس کے اور کوئی سبب لکھے جانے لفظ یکصد کا معلوم نہیں ہوتا۔ اور یہی تعداد یکصد مجلد مولفۂ حضرت شیخ اجل قدس سرہ کی احسن التواریخ مصنفۂ مولوی محمد عبدالاول

جونپوری (☆۱) میں بھی لکھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی اسی عبارت متذکرۂ بالا سے اخذ کی ہوگی۔ زیادہ اس سے اس کی نسبت لکھنا ضرور نہیں۔ (ص ۹۶)

چہارم: ''رہا لفظ (پانصد ہزار ابیات) سو یہ اوپر اس سے مدِ سوم میں طے ہو گیا ہے۔ میں نے جانا تھا کہ یہ تعداد کل تصانیف حضرت کی بابت ہوگی۔ مگر معلوم ہوا کہ یہ صرف نسبت مندرجۂ فہرس التوالیف ہے۔ سو یہ صحیح ہے اور مطابق نوشتۂ حضرت کے ہے''۔ (ص ۹۷)

ذکر ''رسالۂ وصیت'':

یہ حضرت شیخ عبدالحق محدث علیہ الرحمہ کا وصیت نامہ ہے۔ اس کے بارے میں مؤلف صراحت کرتے ہیں کہ:

یہ رسالہ مؤلفۂ حضرت اگرچہ ملقب بوصیت نامہ ہے۔ لیکن اس میں بعض مضمون ایسے درج ہیں کہ جو ظاہراً وصیت سے تعلق نہیں رکھتے۔

... اور لکھا جانا اس رسالے کا کسی ایک وقت خاص میں پایا نہیں جاتا۔ بلکہ بہ لحاظ اس کے مضامین کے آغاز اس کا بعد حصولِ علم یا بزمانۂ قصد روانگیِ مکۂ معظمہ معلوم ہوتا ہے اور اس وقت سے تا آخرِ حیات وقتاً فوقتاً اس کا لکھنا جاری رہا''۔ (ایضاً: ص ۹۰)

اخبار الاخیار:

''اخبار الاخیار'' اگرچہ ۹۹۹ھ میں مکمل ہو چکی تھی، جس کا تاریخی مادّہ ''ذکر الاولیاء'' (۹۹۹ھ) ہے: لیکن داخلی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب و تالیف مختلف ادوار میں جاری رہی ہے۔ خاص کر ۹۹۹ھ کے بعد بھی اس میں اضافے کیے گئے ہیں۔ ''اخبار الاخیار'' پر جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب ''حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی''

☆۱ ''یہ مولوی محمد عبدالاول بیٹے مولوی کرامت علی مرحوم جونپوری کے ہیں کہ جو ایک عالم نامی وگرامی گزرے ہیں۔ اور جن کا فتویٰ مقبول علمائے مکۂ معظمہ ہوتا تھا۔ یہ فرزند اُن کے بہ عمر پانزدہ سالہ (۱۵) مکۂ معظمہ کو گئے۔ اور آٹھ برس تک وہاں رہ کر تحصیل علم کی کی۔ اور بہ عمر پچیس (۲۵) سال واپس آئے۔ اب ۱۳۱۸ھ میں عمر ان کی قریب بتیس (۳۲) سال کے ہوگی۔ چند کتابیں دینی عربی، فارسی میں تصنیف کی ہیں۔ اور حافظ و قاری اور واعظ ہیں۔ میلاد شریف بہت خوبی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور اس وقت بھی امام جامع مسجد جونپور کے ہیں''۔ (ایضاً: ص ۹۷)

میں جو تحقیقی جائزہ رقم کیا ہے وہ دیکھنے کے لائق ہے۔اس جائزے میں ''مِر آۃُ الحقائق'' بھی آپ کے پیشِ نظر رہی ہے۔

''اخبار الاخیار'' کے سلسلے میں ''مِر آۃُ الحقائق'' اور حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مندرجات کی تکرار سے بچتے ہوئے مؤلف ''مِر اۃُ الحقائق'' کی بعض ضروری صراحتیں پیش کی جاتی ہیں۔وہ اس کی ترتیب وتالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''[حضرت شیخ محدث نے] اس کو تین دفعہ تین طرح پر ترقیم و ترتیب فرمایا۔ جیسا کہ آپ رسالہ فہرس التوالیف میں لکھتے ہیں۔ [فارسی عبارت محذوف کی جاتی ہے اسے جناب خلیق احمد نظامی اپنی کتاب میں دے چکے ہیں۔ش الف] ۰۰۰ یعنی اوّل جو یہ کتاب آپ نے لکھی تخمیناً پندرہ ہزار بیت [یعنی سطروں] کی تھی۔اوس میں سے انتخاب بارہ ہزار بیت کا کر کے دوسری کتاب مرتّب کی۔ پھر اوسمیں بھی نو ہزار کسرے زائد انتخاب فرما کر تیسری کتاب ترتیب فرمائی۔اور نسخۂ دوم کو بنام زد متوسط قرار دیا۔اور اوسی کو برقرار رکھا۔کہ جواب شایع ہے۔

پس اب یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ تینوں ترتیب کب کب عمل میں آئیں۔سو وہ یہ ہے ۰۰۰ کہ نسخۂ اوّل ۹۹۳ھ میں تصنیف ہوا۔یعنی سفر حج سے (کہ جو ۹۹۶ھ میں ہوا) تین برس پہلے۔نسخہ دوم بلقب متوسط کہ جو منتخب نسخۂ اوّل کا ہے اوسکو حضرت نے ماقبل یا مابعد حج کے ۹۹۷ھ یا ۹۹۸ھ میں بمقام مکۂ معظّمہ یا مدینۂ طیبہ یا جہاز میں ہنگام واپسی باضافۂ ذکر حضرت شیخ وجیہ الدین احمد آبادی ۰۰۰ مرتّب فرمایا۔اور بعد واپسی مکۂ معظّمہ سے ۹۹۹ھ میں بمقام دہلی خاتمۂ کتاب پر احوال جانے اور آنے مکۂ معظّمہ ودیگر کوائف متعلقہ کا از صفحہ نمبر۔۲۹۸ تا صفحہ نمبر ۳۰۶ یعنی نو صفحہ پر تحریر فرما کر تمام کیا۔

اور نسخۂ سوم جونسخۂ دوم سے منتخب کیا گیا۔ اوسکا سنہ ترتیب کہیں کسی
ایماء تحریر سے حضرت کے پایانہیں جاتا۔ مگر بہر حال ترتیب اوسکی بعد ۹۹۹ھ
کی ہی ہوئی ہوگی"۔ (ایضاً ص ۳۱۔۳۰)

حضرت شیخ الاجل علیہ الرحمہ اور فردوسی:

مؤلف نے حضرت شیخ محدث علیہ الرحمہ اور فردوسی کا موازنہ کرتے ہوئے شیخ الاجل علیہ الرحمہ کی عظیم الشان علمی خدمات کے پیشِ نظران کی کسر نفسی کو بخوبی اُجاگر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ:

"فردوسی علیہ الرحمہ نے ایک حساب سے پچاس ہزار اور ایک حساب سے اسی ہزار ابیات شاہنامہ کے تیس برس میں لکھے ہیں۔ اور ان کے لکھنے میں بہت ہی رنج ومحنت ظاہر کی ہے۔ اور اس تصنیف پر بہت کچھ خودستائی کی ہے... اور ہمارے حضرتِ شیخ نے چھ لاکھ ابیات ☆۱ چورانوے (۹۴) سال کی عمر تک لکھ ڈالیں اور کبھی ایک حرف تک بھی رنج ومحنت کا زبانِ قلم پر نہ لائے۔ اور خودستائی تو کیسی"۔ (ایضاً: ص ۷۲۔۷۱)

ذکر تصنیفاتِ نظم حضرتِ شیخ الاجل رحمۃ اللہ علیہ:

اس کی کیفیت بھی جناب مؤلف نے نہایت جامع انداز میں رقم کی ہے۔ آپ کی تحریر ملاحظہ ہو:

"واضح ہو کہ ہرطرح کی نظم حضرت کی مثل دیوان غزل وقصائد وغیرہ بقدر دو یا اڑہائی ہزار شعر کے ہے۔ اور حقّی آپ کا تخلص ہے۔ ان میں سے چند اشعار جو میری نظر سے گزرے وہ یہ ہیں۔ ایک مطلع اور مقطع ایک غزل کا لکھتا ہوں:

☆۱ "یہاں لفظ 'ابیات' کا بمعنی اشعار کے نہیں ہے۔ بلکہ مراد سطور سے ہے کہ جو مطابق اصطلاحِ کاتبوں کے ایک مقدار معیّن کا نام ہے 'بیت' ہے کہ اوسپر کاتب لوگ اجرت کتابت لیتے ہیں اور وہ بقدر ایک سو حرف کے معیّن ہے"۔ (مرآۃ الحقائق، ص ۴۰) ش الف۔

دوش از کثرتِ اغیار نجاتم دادند
رہ بسوے حرم وحدتِ ذاتم دادند
حقّی از گوشۂ دہلی نہ نہم پا بیروں
خود گرفیتم کہ مُلکِ گجراتم دادند

مطلع میں مضمون تصوّف کا ہے۔ اور حضرت کے مقام فنا فی اللہ سے خبر دیتا ہے اور مقطع حضرت کے تمکن دہلی۔ اور حضرت کے جدِّ اعلیٰ کے تاریخی مضمون سے مطلع کرتا ہے۔ یعنی، حضرت آقا محمد رحمہ اللہ علیہ نے گجرات اور بندر ہائے سمندر متعلقۂ گجرات فتح کیے۔ اور اُن حدود کے سردار و حاکم اعلیٰ تھے۔ اگر ان کی میراث میں مثلاً حضرت شیخ کو ملک گجرات قبضے میں دے دیا جاوے۔ تو بھی حضرت کا یہ عزم بالجزم ہے کہ موافق ارشاد حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ، کے (کہ آپ کے حق میں یہ حکم فرمایا تھا کہ دہلی سے آپ باہر قدم نہ نکالیں) نہ جاؤں۔ اور ایک یہ خوبی اس شعر سے نکلتی ہے، کہ بود و باش آپ کی کنارۂ آبادی دہلی کہنہ پر تھی۔ تو لفظ گوشے سے حضرت نے گویا پتا بھی اپنے مقامِ سکونت کا ظاہر کر دیا"۔ (ایضاً: ص ۷۲)

ان اشعار کے علاوہ حضرت شیخ الاجل رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور نعتیہ قصیدہ مشتمل بر ۵۹ ابیات بھی درج کتاب ہے۔

"فہرست تالیفات حضرت شیخ الاجل ابوالمجد شاہ عبدالحق محدث دہلوی البخاری قدس اللہ سرّہ العزیز بترتیب حروف تہجی"۔

"مِرآۃُ الحقائق" کا پیشِ نظر نسخہ درمیان سے ناقص ہے۔ اس میں چار صفحات (۵۱ تا ۵۴) نہیں ہیں ☆۱

☆۱ اگر کسی صاحب کے پاس "مِر آۃُ الحقائق" کا نسخہ موجود ہو یا اس کی دسترس میں ہو تو از راہِ علم دوستی و پاس حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ ہمیں ان چار صفحات (۵۱ تا ۵۴) کی عکسی نقول فراہم کر دیں۔ ہم اُن کے شکریے کے ساتھ اس فہرست کو افادۂ عام کے لیے مکرر شائع کر دیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ درخواست گزار:
احقر شاہ انجم بخاری عفی عنہ

یہ چار صفحات حضرت شیخ محدث علیہ الرحمہ کی تفصیلی فہرستِ کتب سے متعلق ہیں۔ مؤلف نے اس فہرست میں حروف تہجی کے اعتبار سے ساٹھ (۶۰) کتابوں کے کوائف درج کیے ہیں۔ گوشوارۂ فہرست یوں ہے:

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
اعداد شمار	نام کتاب	تعداد جلد	م	ص	ط	کیفیت	نمبر فہرس التولیف
۴۳	شرح سفر السعادت ف (در علمِ سیرت و فقہ)	۱	م	ص	ط	حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ نام این کتاب دراصل سفر السعادتست و مشہور میان مردم بصراطِ مستقیم شدہ۔ واضح ہو۔ کہ یہ اصل کتاب تصنیف شیخ مجدالدین فیروزآبادی رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ قاموس کی ہے۔ حضرتِ شیخ الاجل قدس سرہٗ نے یہ ۱۰۰۰ھ شرح اوسکی لکھی ہے۔ اور مقدار کتابت اس شرح کی قریب تیس ہزار بیت کے درج فرمائی ہے یہ کتاب کلکتہ اور لکھنؤ میں دو تین مرتبہ طبع ہوئی ہے۔	۱۱

اس فہرست سے قبل مؤلف نے گوشوارے میں درج بعض اصطلاحات کی مندرجہ ذیل وضاحت فرمائی ہے:

''پس اب اصطلاحات ترتیب اس فہرست کی بیان کرتا ہوں کہ جو حروف مفرد بہ خانہ ۴۔ ۵۔ ۶ مندرج ہیں۔ وہ بایں ایماء ہیں۔

م	اس سے یہ مراد ہے کہ یہ کتاب حضرت کے رسالہ فہرس التوالیف میں مندرج ہے۔ اور جس کسی خانہ ذیل میں اس کے نقطہ پایا جائے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ کتاب بعد فہرس التوالیف کے تالیف ہوئی۔
ص	اس سے یہ مقصود ہے کہ یہ کتاب مولوی محمد انوار الحق دہلوی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اور بذیل اس کے جس خانے میں نقطہ ہو۔ تو یہ تصور کیا جاوے۔ کہ یہ کتاب، کتب خانہ موصوفہ میں نہیں ہے۔
ط	اس سے یہ مطلب ہے کہ یہ کتاب طبع ہوگئی ہے اور بذیل اس کے جس خانہ میں نقطہ دیکھا جاوے۔ تو عدم مطبوع ہونا اوس کا خیال کرلیا جاوے۔
خانہ دوم میں جو آگے نام پر ایک کتاب کے حروف لکھے ہیں اونکا منشاء یہ ہے:	
ع	حرف (ع) سے یہ اشارہ ہے کہ یہ کتاب بالتمام عربی میں ہے۔
ف	حرف (ف) سے یہ کنایہ ہے کہ دراصل یہ کتاب فارسی میں ہے۔
عف	حرف (عف) سے یہ اظہار ہے ۔ کہ یہ کتاب مخلوط عربی و فارسی ہے"۔ (ایضاً: ص ۴۷)

مذکورہ فہرست کی ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ اس میں ہر کتاب کے ذیل میں فہرس التوالیف کا نشان پتا بھی دیا گیا ہے جو حضرت شیخ محدث علیہ الرحمہ کی مرتبہ فہرست ہے۔ نیز کیفیت کے خانے میں متعدد مقامات پر متعلقہ کتاب کے بارے میں مختصر مگر جامع تعارف پیش کیا گیا ہے۔

"حروف تہجی کے اعتبار سے اس فہرس کی تیاری میں مؤلف نے واقعی بہت محنت کی ہے۔

ذکر وفات حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی:

جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب میں حضرت شیخ محدث علیہ الرحمہ کی وفات کا جامع تذکرہ کیا ہے۔ نیز "مرآۃ الحقائق" سے بعض اہم معلومات بھی اخذ کر کے درج کتاب کی ہیں۔ لہٰذا اس ضمن میں ہم چند جملوں ہی پر اکتفا کریں گے۔ مؤلف "مرآۃ الحقائق" نے حضرت

شیخ محدث علیہ الرحمہ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "مابین شب ۲۱ و ۲۲ ربیع الاوّل ۱۰۵۲ھ کو چوّرانوے سال اور دو ماہ کی عمر میں آپ اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائے عالم جاودانی ہوئے۔ چونکہ مطابق وصیت و ہدایت حضرت کے قبر پہلے سے مقبرے کے ساتھ بنی ہوئی تھی۔ بتاریخ ۲۲ر اس میں جاگزیں ہوئے۔۰۰۰ تاریخ پیدائش و نیز وفات حضرت شیخ سے ظاہر ہے کہ آپ نے چھ بادشاہوں کا زمانہ سلطنت دیکھا:

سلیم شاہ بن شیر شاہ بادشاہ	تخمیناً ۳ر سال
عادل شاہ برادر سلیم شاہ مذکور	تخمیناً ایک سال
ہمایوں بادشاہ کا دورۂ دوم	تخمیناً ایک سال
اکبر بادشاہ کا، کل زمانہ یعنی	۵۱ر سال ۲ ماہ ۹ یوم
جہانگیر بادشاہ کا، کل زمانہ یعنی	۲۲ر سال ۸ ماہ ۱۴ یوم
شاہ جہاں بادشاہ تا ۱۶ جلوسی،	۱۴ر سال ۹ ماہ ۱۳ یوم

کہ جس کا مجموعہ چورانوے سال دو ماہ چھ یوم ہوا"۔ (ایضاً ص ۹۲ تا ۹۸)

"ذکر عرس حضرت شیخ اجل"

اس ضمن میں مؤلف نے لکھا ہے:

"چونکہ انتقال آپ کا مابین شب ۲۱۔۲۲ر ربیع الاوّل کے ہوا۔ لہٰذا عرس آپ کا اِن دونوں تاریخوں پر ہم لوگوں کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ یعنی ۲۱ر تاریخ کی شام کو تو طعام ہر قسم کا حاضرین کو تقسیم ہوتا ہے اور ایسا ہی ۲۲ر کی صبح کو اور ۲۲ر تاریخ کی شام کو یعنی بعد نمازِ مغرب شیر اور برنج مع چینی اور روٹی روغنی کے تقسیم عمل میں آتی ہے اور یہ کھانا بہ نامزد توشہ کے کہلاتا ہے"۔ (ایضاً: ص ۹۹)

ذکر علوے مرتبۂ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ:

اس کے ذیل میں مؤلف نے حضرت شیخ محدث علیہ الرحمۃ کی حیات و بعد از حیات عظمتوں اور رفعتوں کا جو نورانی تذکرہ کیا ہے جی چاہتا ہے کہ اس کے مطالعے میں سب کو شریک کیا جائے۔ چنانچہ ذکر علوے مرتبہ حضرات شیخ علیہ الرحمۃ ملاحظہ ہو۔

''علوے مرتبہ آپ کا بعالمِ ظاہری۔ واقعات مدینہ منورہ سے یعنی بروقت فائز ہونے آپ کے مسجد نبوی میں جناب سرورِ کائنات ﷺ کا۔ روضۂ مقدسہ، سے برآمد ہوکر واسطے استقبال آپ کے دس بارہ قدم سے بھی زیادہ آنا۔ اور آپ کو بغلگیر کر کے معانقہ فرمانا۔

اور پھر بار دوم وسوم بمقامِ مدینۂ منور زیارت شریف اور تا قیام وہاں کے انواع بشارات سے مشرف فرمانا۔ اور آپ کو عالمِ خواب میں بیواسطۂ احدے خاص زبانِ مبارک سے احادیثِ شریف کا سنانا۔

اور پھر بار چہارم حسب استدعا ان کے بمقام مکۂ معظمہ اپنے جمال خاص کے مشاہدے سے کامیاب فرمانا۔

اور پھر از روے بشارت معرفت قطب مکہ باین ارشاد مطلع فرمانا کہ (بدہلی باید رفت زیرا کہ دہلی بفراق شما نالان ست) اور پراس سے بخوبی ظاہر ہو چکی ہے۔ کہ یہ رتبہ علمائے متقدمین ومتاخرین سے کسی کو سلف سے تا حال نصیب نہیں ہوا۔ مگر علوے مرتبۂ باطنی کو (جو بعد وفات آپ کے ظہور میں آیا) سننا چاہیے۔

وہ یہ کہ

روایت کی دو علمائے معتبرین دہلی نے۔ یعنی مولوی کریم اللہ ساکن حوض قاضی نے جو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ملنے والوں میں سے تھے اور مولوی قطب الدین خان نے جناب شاہ محمد یٰسین دام برکاتہ نارنولی سے کہ جو فقیہ اور محدث اور نبیرۂ حضرت بندگی خواجہ شاہ نظام قدس سرہ کے ہیں اور انھوں نے مجھ اضعف العباد راقم الحالات سے بمقام پلول مسکنِ احقر بتاریخ ۲۴ شعبان ۱۳۱۷ھ بوجہ اس کے کہ میرے آباواجداد بیعت پذیر اسی خاندان اشرف کے ہیں۔ اور یہی ان کی تشریف آوری کی وجہ اس مقام پر ہوتی ہے۔

کہ زمانۂ حضرت مولانا محمد اسحاق محدث ومہاجر رحمۃ اللہ علیہ مین ایک عالم خراسان سے بمقام دہلی آئے۔ اور مولانا ممدوح کے ہی مکان پر مقیم ہوے۔ بعد دو ایک روز کے مولانا کی خدمت میں عرض کی کہ ایک آدمی خاص اپنا مجھ کو دیجیے۔ کہ میں حسب نشاندہی اس کے، واسطے

زیارات مزارات حضرات اولیاء اللہ یعنی سلطان جی و چراغ دہلی وخواجہ صاحب کے جاؤں۔ چنانچہ وہ بہ ہمراہی ایک شخص خاص کی گئے اور بعد واپسی بموجودگی ہم دونوں کے حضرت مولانا کے حضور میں اس طرح پر عرض گزار ہوے۔ کہ اول میں مزار پُر انوار حضرت نظام الدین سلطان الاولیاء علیہ الرحمۃ کے حاضر ہوا۔ اور نزدیک مزار شریف کے بیٹھ کر مکاشفہ کیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ قبر مبارک سے پچاس ساٹھ گز تک نور کی ایک لاٹ کھڑی ہے۔ وہاں سے رخصت ہو کر حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حاضر آیا۔ اور مراقب ہوا۔ تو نور کی لاٹ اس سے کم درجہ کی دیکھی۔ پھر درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہ میں حاضر ہوا۔ اور مکاشفہ کیا۔ دیکھا کہ نور کی لاٹ قبر مبارک سے بقدر اسی، نوے گز کے کھڑی ہے۔ پھر وہاں سے بمقام مزار حضرت شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ محدث دہلوی کی حاضر ہوا تو وہاں عندالمکاشفہ دیکھا کہ لاٹ نور کی قبر مبارک سے آسمان تک قائم ہے۔ بعد بیان کرنے اس سب ماجرا کے یہ دیکھا کہ مجھے بڑا تعجب ہے کہ ان تینوں حضرات اولیاء اللہ کی قبر پر نور کی لاٹ باندازہ گزون کے ہے اور حضرت شیخ کی مزار پر سے آسمان تک۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیوں کہ بذریعۂ کشفِ قبور جو میں نے معلوم کیا۔ تو مراتب ہر سہ حضرات بالا کے بہت بڑے ہوئے ہیں۔

حضرتِ مولانا نے جواب دیا۔ چونکہ حضرتِ شیخ خادم حدیثِ شریف کے تھے۔ اس واسطے اللہ جل شانہ نے حدیث خوانی کے صلے میں یہ رُتبا ان کا زیادہ کیا۔ یہ خدمت حدیث شریف کی آپ سے ایسی پائی کہ جس سے آپ کے رفعتِ مرتبت کا پایان نہیں رہا۔ اور خوشنودی جناب سرورِ کائنات ﷺ کی بھی آپ کے ساتھ کچھ حدّ و غایت نہیں رہی۔

روایت ہے کہ:

ایک عالمِ بزرگ سے کہ جب آپ ہنگام وداع ہونے روضۂ مقدسہ سے وہاں کی مفارقت پر بحدے دردمند وزاری کنان ہوے تو کچھ غفلت سی ہوئی۔ تب آنحضرت ﷺ نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ عبدالحق جہاں تو ہے وہاں ہم ہیں۔ اور جہاں تیرا مدفن ہوگا۔ وہ مدینہ

ہوگا۔ ا☆ سو یہ ارشاد آپ کے حق میں باعث کس قدر مفاخرت اور موجب عنایت ورحمت جنابِ رسول کریم ﷺ کا ہوا۔ کہ جو کبھی عالم ماسبق کو ایسی دولت ونعمت نصیب نہیں ہوئی۔ کچھ شک نہیں کہ حسب فرمودۂ جناب رسول اکرم ﷺ کی کیفیت مقامِ مدفن حضرت شیخ کی ہم کیفیت مدینہ طیبہ ہے۔ جو اشخاص کہ مدینہ منورہ وروضۂ مقدسہ سے مشرف ہوکر آئے ہیں۔ کہ جن میں ایک یہ راقم الحروف بھی ہے۔ وہ بروقت حاضر ہونے اس دفن گاہ حضرت حضرت شیخ علیہ الرحمہ کے تائید تحریر بالا کی کرسکتے ہیں۔

وہ یہ کہ:

اندر دروازۂ احاطۂ اوّل کے قدم انداز ہوتے ہی طبیعت پر مسرت اور فرحت پیدا ہوتی ہے۔ اور شوق جلد تر پہنچنے کا آستانۂ مقبرے پر ہوتا ہے۔ اور جب اندر دروازۂ احاطۂ دوم کے پہنچتا ہے۔ تو خوش دلی کی حدّ وغایت نہیں رہتی۔ اور اشتیاق زیارت قبر شریف کا بڑھتا ہے۔ اور جب نوبت جانے اندر مقبرۂ شریف کے ہوتی ہے۔ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا تاریکی سے روشنی میں اور گرمی سے سرد خانے میں آگئے۔ ہر چند کہ کیسا ہی روز روشن اور موسم گرمی شدید کا ہو، زیارت مزارِ مبارک اور اُس تمام بقعۂ اندرونی سے تازگی روح ورواں کی ہوجاتی ہے اور دلچسپی ہوتی ہے۔ کہ نہ قبر شریف سے نظر اُٹھانے کو جی چاہتا ہے اور نہ در ودیوار اور طاقچے وگنبد سے نہ وہاں سے باہر آنے

ا☆ ہمیں تو یہ ''انعام'' مندرجہ ذیل ''دعا'' کا قبول ہونا اور اس ''تمنا'' کا بر آنا معلوم ہوتا ہے جو آپ، رب تعالیٰ کے حضور، عمر بھر کرتے رہے اور جو آپ کے وصیت نامے میں بھی رقم ہے۔ بلاشبہ ہر عاشق صادق کی یہی دعا وتمنا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شہرِ حبیب ﷺ میں دو گز زمین عطا فرمادے۔ [احقر: شاہ انجم بخاری عفی عنہ]

حضرت شیخ محدث علیہ الرحمہ کی ''دعا وتمنا'' ملاحظہ ہو:

''اولاً صرف این قدر نوشتند کہ دعا وتمنائے فقیر از درگاہ الٰہی است

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ بِبَلَدِ رَسُوْلِکَ

ترجمہ: الٰہی نصیب ہو مجھے شہادت تیری راہ میں۔ اور ہو موت میری تیرے رسول کے شہر میں''۔

(''ذکر وصیت نسبت ذاتِ خود'' بحوالہ مرآۃ الحقائق ص ۹۰)

کودل قبول کرتا ہے، گو کتنے ہی عرصے تک وہاں بیٹھا رہے۔ پر طبیعت سیر نہیں ہوتی۔اور مفارقت وہاں کی گوارانہیں کرتی۔ بالآخر جب وہاں سے اپنے مکان فروکشی پر آبادی میں آنا ہوتا ہے۔تو بعد خور وخواب وغیرہ یہی جی چاہتا ہے کہ وہیں کو چلیے۔ چنانچہ تا قیامِ وہاں کے اگر بسبب کسی قدر فاصلہ وناہمواری راستہ ایک دن میں دوبار نہیں تو ایک مرتبہ تو ضرور ہی وہاں جانا ہوتا ہےاور جب اُس آبادی سے ہی ارادہ واپسی اپنے وطن کا کیا جاتا ہے۔تو اس کی مفارقت بھی ناگوار ہوتی ہے۔اور پھر خواہش جانے وہاں کی رہتی ہے۔ پس یہی کیفیت طبائع وقلوب روندگان مدینۂ منورہ کی شروع سواد مدینۂ مطہرہ سے تا قیام وہاں کے اور نیز وداع ہونے روضۂ مقدسہ اور اُس بلدۂ طیبہ سے ہوتی ہےاور آرزو حاضر ہونے آیندہ کی رہتی ہے۔یعنی واقعات ظاہری دونوں مقام کے قریب المطابقت ہیں۔اور حالاتِ باطنی ہر دو مقام موصوفہ ہم ایسے اشخاص صرف ظاہر بین کو معلوم نہیں ہوسکتے۔اُن سے جو اہلِ باطن ہیں وہی واقف ہوسکتے ہیں۔مگر بہ لحاظِ فرمودۂ آنحضرت ﷺ قیاس مقتضی اسی امر کا ہے کہ جب کوائف ظاہری یہاں کے مثل وہاں کے ہیں تو کوائف باطنی بھی ویسے ہی ہوں گے۔

ع قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا۔ واللہ اعلم“

(ایضاً:ص ۱۰۵تا۱۰۹)

حرفِ آخر:

اس سے قبل کہ ”مرآۃ الحقائق“ کی اس روح پرور سیر کو یہیں ختم کیا جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مکمل ”فہرستِ کتاب مرآۃ الحقائق“ بھی اپنے قارئین کی نذر کرتا چلوں۔

☆☆☆

فتعالى الله الملك الحق لا اله الا هو

بحسن توفیق خالق مطلق و رازق برحق گنجینۂ جواہر حقیقت نگاری آئینۂ صورت نمای حقداری

مرآۃ الحقائق

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری

رحمہ اللہ الباری

از تازہ جلا مصقلۂ متانت آرای راستی گفتار جناب منشی برکت علی صاحب دام بالعلم الفیض البحار

در مطبع عزیزی واقع بازار ریاست رامپور نور علی نور گردید

فہرستِ کتاب مرآۃ الحقائق
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاریؒ

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	دیباچہ کتاب ہذا	۱
۲	ذکر جناب آقا محمد جد اعلیٰ حضرت شیخ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ کہ جو بخارا اپنے وطن اصلی سے بعہد سلطان محمد علاء الدین خلجی کہ (جس کی سلطنت مابین ۶۹۵ھ و ۷۱۰ھ تھی بجماعہ کثیر دہلی سے تشریف لائے۔ اور واسطے تسخیر ممالک گجرات و بنادر کے مامور ہوئے۔	۲
۳	ذکر ملک معزالدین بن حضرت آقا محمد رحمۃ اللہ علیہ	۳
۴	ذکر ملک موسیٰ بن ملک معزالدین۔	۴
۵	ذکر شیخ فیروز شہید بن ملک موسیٰ۔	۵
۶	ذکر شیخ سعداللہ بن شیخ فیروز شہید مع ذکر شیخ رزق اللہ پسر کلان شیخ سعداللہ	۶
۷	ذکر شیخ سیف الدین بن شیخ سعداللہ	۸
۸	ذکر حضرت شیخ ابوالمجد عبدالحق حقی محدث دہلوی بن شیخ سیف الدین مع تاریخ پیدائش واحوال ایام طفولیت۔	۱۳
۹	ذکر تعلیم خواندن ونوشتن حضرت شیخ علیہ الرحمۃ	۱۴
۱۰	ذکر حفظ قرآن مجید کہ جو بعد حصول علوم بالا ایک سال میں فرمایا۔	۱۶
۱۱	ذکر محنت بہ تحصیل علوم۔	۱۷
۱۲	تذکرہ رفتن حج وواپسی بطور مختصر از روے اخبار الاخیار مصنفہ حضرت ممدوح	۱۹
۱۳	ذکر روانگی مکہ معظمہ کو دہلی سے بہ ۹۹۶ھ بحال مفصل از روے زاد المتقین مولفہ حضرت ممدوح۔	۲۰

۱۴	ذکر پہنچنے حضرت کا مکہ معظّمہ میں اور مقیم رہنا وہاں دس ماہ تک اور حصول علوم حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قطب مکہ معظّمہ سے کرنا اور نیز ادا کرنا حج کا اونہیں کے ساتھ بسال ۹۹۶ھ۔	۲۱
۱۵	ذکر روانگی مدینہ منورہ بتاریخ ۲۳ ربیع الآخر ۹۹۷ھ اور تا آخر ماہ رجب ۹۹۸ھ یعنی پندرہ مہینے وہان قیام کرنا۔ اور پہر وہان سے مکہ معظّمہ کو آنا۔	۲۳
۱۶	ذکر آنے حضرت کا مدینہ منورہ سے پہر مکہ معظّمہ میں اور قیام پذیر ہونا چودہ (۱۴) مہینے تک بدستور حصول علوم کا کرنا جناب قطب ممدوح سے	۲۳
۱۷	ذکر قیل وقال باہمی جناب قطب مکہ معظّمہ و حضرت شیخ ممدوح قابل ملاحظہ ارباب علم و فضل و نیز ادا کرنا حج ثانی ۹۹۸ھ مابین اوسی گفتگو کے	۲۳
۱۸	ذکر روانگی طائف شریف کو آخر شہر شعبان ۹۹۹ھ میں اور وہاں سے واپس آنا غرہ ماہ رمضان سنہ صدر کو بمکہ معظّمہ اور مصروف ہونے میں تیاری سفر ہندوستان کے اور آجانے جدہ شریف میں۔	۲۶
۱۹	نقل اُس عبارت کی جو حضرت شیخ نے مجمل احوال اپنا ابتدای عمر سے تا واپسی از مکہ معظّمہ تحریر فرمایا۔	۲۷
۲۰	ذکر اُس بیان کا کہ جو جناب عبدالوہاب متقی قطب مکہ معظّمہ نے حسب بشارت حضرت خاتم الرسالت بروقت اِن کی روانگی کے فرمایا۔	۲۸
۲۱	نقل مضمون مندرجہ کتاب فتح المنان فی تائید مذہب النعمان مولفہ حضرت شیخ ممدوح کہ جس میں آپ نے لکھا ہے کہ جب میں حرمین شریفین زادہما اللہ تشریفاً و تعظیماً میں کتاب مشکوۃ پڑھتا تھا تو میرے خیال میں آیا کہ ابھی مذہب شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختیار کردن اور پھر بفرمودہ جناب عبدالوہاب قطب مکہ معظّمہ ممدوح بالا کے اس خیال سے درگذرا۔	۲۸

مراۃ الحقائق کی جدید اشاعت

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ (٩٥٨ھ-١٠٥٢ھ) کی اوّلین سوانح عمری، ''مراۃ الحقائق از منشی برکت علی حقّی''، کی جدید اشاعت کے انتظامات کیے جا رہے ہیں۔ اس کارِ خیر میں حضرت شیخ محدث علیہ الرحمہ کے تمام عقیدت مندوں سے تعاون کی درخواست کی جاتی ہے۔

الداعی الی الخیر:

مجلسِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حیدر آباد سندھ پاکستان۔

خطوط

O ڈاکٹر محمود احمد برکاتی، برکات اکیڈمی، ۲۹۸۔اے، لیاقت آباد نمبر۴، کراچی نمبر۱۹۔

محترم شاہ انجم صاحب سلام ورحمت وبرکات!

المصداق اور نامہ گرامی ملا، جزاک اللہ تعالیٰ

المصداق حسبِ دستور وزنی و وقیع ہے، سب ہی ابواب فاضلانہ مقالات پر مشتمل ہیں۔

احمد اللہ شاہ پر مضمون معیاری نہیں ہے، توجہ اور محنت کی ضرورت ہے۔ یہ تو بہت ہی خوب ہوا کہ ''معید الایمان'' کا آپ کو سراغ مل گیا، یہ کتاب ردتوہب کے سلسلے میں بڑی اہم کڑی ہے۔شاہ اسماعیل ہی کے گھرانے کے ایک عالم نے ان کی کتاب کا رد کیا ہے، پھر اگر یہ اُردو میں ہے تو انیسویں صدی کے ربع اوّل کی یہ کتاب ادب اُردو کی تاریخ میں بھی اہمیت رکھتی ہے۔آپ مایوس نہ ہوں او، مرحوم کے ورثاء سے اس کے حصول کی جہد بلیغ فرماتے رہیں۔اور مل جائے تو فوراً طباعت کا اہتمام فرمائیں۔اختلافی تحریروں میں ثقاہت وشائستگی کا التزام واہتمام ضرور ہونا چاہیے۔قلم کار کا قلم جہاں ''جوش'' میں آ گیا ہو وہاں آپ اپنے مدیرانہ حقوق واختیارات استعمال فرما کر تحریر کو شائستہ اور قلم کو گوارا بنا دیا کریں۰۰۰ [ناخوانہ]

ایک بار پھر صرف تشکر اور دعائے جزائے خیر۔طالب علم محمود احمد برکاتی

○ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ۲/۱۷۷، ای۔ پی۔ ای۔ سی۔ ایچ سوسائٹی، کراچی

مکرمی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوں گے۔ مرسلہ لٹریچر موصول ہوا، نوازش و کرم کا ممنون ہوں۔ شکر گزار ہوں کہ آپ نے احقر کی تحریر کو اپنی کتاب میں جگہ دی اور احقر کی کتابوں سے استفادہ کیا۔

علالت و مصروفیت کی وجہ سے سردست تاثرات پیش کرنے سے قاصر ہوں۔ آپ بڑا مفید اور خوبصورت لٹریچر شایع کر رہے ہیں۔ علمی اور ادبی سرگرمیوں سے شہر کی قدر و منزلت بھی بڑھ جاتی ہے۔ جزاکم اللہ۔

ادارۂ مسعودیہ کے ناظم سے کہا ہے کہ چند کتابیں آپ کو ارسال کر دی جائیں۔ ان شاء اللہ وہ ارسال کریں گے۔

۲۰/نومبر ۲۰۰۱ء فقط والسلام

احقر محمد مسعود احمد

○ پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے، مدیر ''جہان رضا''، لاہور

حضرت مکرم و محترم جناب شاہ انجم بخاری صاحب۔ دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ کی عنایت سے المصداق (۶۔۵) ملا نہ پہلے پارسل میں احباب کے لیے ہدایا تھے۔ دوسرے پارسل میں اہلِ ذوق کے لیے چند نسخے تھے۔ میں آپ کی اس کرم فرمائی کے لیے دلی طور پر ممنون ہوں۔

اس بار ''المصداق'' اپنے صفحات پر عمدہ تحریریں سجا کر جلوہ گر ہوا ہے۔ آپ کی توجہ نے نہایت علمی اور تحقیقی شمارہ بنا دیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال و مقامات سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم کے لیے بہت سی اہم چیزیں آ گئی ہیں۔ پھر حضرت شیخ پر مزید کام کرنے والوں کے لیے کئی راہنمایانہ حوالے آ گئے ہیں۔ آپ نے میری تحریر کو بھی خصوصی

توجہ سے نوازا۔ حضرت شیخ کی کتاب تکمیل الایمان کے ترجمے کے چند صفحات بھی اپنے احباب کے مطالعے کے لیے مہیا کیے ہیں۔ غالباً آپ کے سامنے کراچی کا ایڈیشن تھا۔ ورنہ اگر آپ مکتبۂ نبویہ لاہور کا ایڈیشن سامنے رکھتے تو زیادہ اچھی بات تھی۔ تاہم آپ کی یہ کوشش قابلِ تحسین ہے۔

آپ کے اس سلسلۂ اشاعت کی بدولت مجھے حضرت شیخ محدث کی دو نئی کتابیں دیکھنے کو ملیں۔ رسالہ نوریہ سلطانیہ (جسے اس کے فاضل مترجم پروفیسر محمد غضنفر علی صاحب، وڑائچ ایم اے نے عطا فرمایا تھا)۔ اس پر ایک تنقیدی تحریر آئی ہے۔ زاد المتقین جو میرے لیے ایک نہایت اہم بات ہے کہ اس میں شیخ کے ان احباب کا تذکرہ ہے جو قیام مدینہ منورہ میں ان سے ملتے رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جذب القلوب کا نیا ترجمہ لایا جائے۔ آپ کے یہ صفحات ترجمہ نگار کو حواشی لکھنے میں مددگار ثابت ہوں گے۔ میں نے جذب القلوب کے ترجمے کے لیے چند علمائے اہلسنت کی خدمت میں استدعا کی مگر وہ پہلو تہی کر جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں ابھی تحقیق و جستجو کی فضا پیدا نہیں ہوئی۔ کیا یہ کام ہمارے شاہ انجم بخاری نہیں کر سکتے؟ طباعت پر سارے اخراجات کی ذمہ داری ہم سنبھالیں گے۔

آپ نے تذکرۂ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا مختصر سا تعارف کرایا ہے اس میں بعض نئی چیزیں سامنے آئی ہیں۔ پھر اہل علم و قلم کے خطوط شایع کر کے کئی احباب سے قلمی ملاقات کرادی ہے۔ مجھے شاہ احمد اللہ شہید آزادی ہند پر ایک سو دس صفحات کی کتاب پڑھنے کا موقع ملا۔ بڑی اہم کتاب ہے۔ مگر میں اس کا ''المصداق'' کے صفحات پر چھاپنے کا مقصد نہیں سمجھ پایا۔ یہ بزرگ نہ تو شیخ کے دور کے ہیں نہ اس میں شیخ کے متعلق کوئی بات ہے۔ اس سے بہتر نہیں تھا کہ آپ شیخ کی ایک کتاب، مکتوبات ۰۰۰ [ماخوانہ] یا مرج البحرین ہی چھپوا دیتے۔

آپ حیدر آباد میں مجھ جیسے امانی شاہ میں شیخ محدث کے افکار و اذکار کی شمع فروزاں کیے ہوئے ہیں۔ بے سروسامانی کے باوجود کوشش کرتے ہیں کہ اس شمع کی روشنی ہمارے تاریک خانہ دل تک پہنچتی رہے۔ بڑی ہمت ہے، بڑی محنت ہے، بڑی بات ہے۔ آپ کی تحریک کا نتیجہ ہے کہ حضرت شیخ کی کتابیں اچھے علمی انداز میں چھپنے لگی ہیں۔ اشعۃ اللمعات فارسی میں چھپ کر افغانستان پہنچی۔ اشعۃ اللمعات کا اُردو ترجمہ سات جلدوں میں چھپ گیا۔ تکمیل الایمان کے ایڈیشن چھپ رہے ہیں۔ جذب القلوب کئی ناشرین نے چھپوا دی۔ حیات شیخ عبدالحق چھپ گئی۔ مکتوبات شیخ چھپ

گئے پھر مرج البحرین کا تازہ ایڈیشن آ رہا ہے ماثبت من السنۃ چھپ رہی ہے۔ لمعات عربی میں چار جلدوں تک چھپ چکی ہے۔ ماشاء اللہ آپ اس خیابان میں اب تنہا نہیں ہیں۔

نہ من تنہا درین مے خانہ ہستم
جنید و شبلی و عطار ہم مست

مجھے اجازت دیں کہ میں دوبارہ تازہ المصداق چھپنے پر آپ کو ہدیۂ تحسین پیش کروں اور آپ کی اس کاوش پر اظہارِ مسرت کروں۔

۱۷/۱۱ کتوبر ۲۰۰۱ء والسلام

اقبال احمد فاروقی

○ علامہ محمد عبدالحکیم صاحب شرف قادری جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور۔

محترم ومکرم جناب شاہ انجم بخاری صاحب زید عنایۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج شریف

المصداق کے دو نسخے موصول ہوئے تھے اس وقت فقیر بریڈ فورڈ انگلینڈ گیا ہوا تھا، جمعیت تبلیغ الاسلام کے سرپرست اعلیٰ پیر سید معروف حسین مدظلہ العالی نے ''امام احمد رضا انٹرنیشنل سنی کانفرنس'' منعقد کی تھی، اس میں شرکت کے لیے یہ فقیر دوسرے احباب کے ساتھ وہاں حاضر ہوا تھا۔

آپ کا ممنون ہوں کہ آپ یاد رکھتے ہیں، المصداق کے پیشِ نظر شمارے میں آپ نے مفید اور دلچسپ مواد جمع کر دیا ہے، حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی تصانیف رسالہ نوریہ سلطانیہ اورزاد المتقین کا تعارف بھی پیش کیا ہے۔ ساتھ ہی تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا تعارف بھی کروایا ہے۔ اسی شمارے میں مولانا احمد اللہ شاہ قادری مدراسی کی حیات اور ان کے جہاد پر ایک سو دس صفحات کی کتاب بھی شامل کردی ہے جو معلومات افزا ہے۔ پروفیسر شفقت رضوی نے تاریخ کی مروج کتابوں پر اعتماد کرتے ہوئے سید احمد اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کی تحریک کو سکھوں اور پھر انگریزوں کے خلاف تحریک قرار دیا یہ حقیقت اب تو طشت ازبام ہو چکی ہے کہ اس تحریک کو انگریزوں کی سرپرستی حاصل تھی، آپ نے اس مقام پر حاشیہ لکھ کر ایک دفعہ پھر اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا

ہے جزاک اللہ تعالیٰ فی الدارین۔ غالباً ۱۸۵۲ء میں انگریز نے لندن سے تقویۃ الایمان کا انگریزی ترجمہ شائع کیا تھا، کیا انھیں ردشرک سے بہت دلچسپی تھی؟ نہیں وہ تو خود شرک میں مبتلا ہیں۔ شائع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کتاب کے ذریعے کلمہ پڑھنے والوں میں وسیع خلیج حائل کی جائے۔

اس سلسلے میں تاریخ تناولیاں بھی ملاحظہ فرمائیں جو آج سے سوا سو سال پہلے لکھی گئی تھی، راقم کا رسالہ ''شیشے کے گھر'' بھی پڑھیے، تاریخ تناولیاں سے یہ راز فاش ہوگا کہ ان لوگوں نے کس طرح صوبۂ سرحد میں مسلمانوں سے جہاد کیا اور انجام کو پہنچے۔

حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب روضات فقیر کی نظر سے نہیں گزری، چونکہ طبیعت ناساز رہتی ہے اور میں قرآن پاک کا ترجمہ کر رہا ہوں اس لیے مزید کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔

والسلام

۲۶؍مارچ ۲۰۰۲ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

○ علامہ جمیل احمد نعیمی دارالعلوم نعیمیہ بلاک نمبر ۱۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی

مخدوم ومحترم جناب شاہ انجم بخاری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

بعد سلام مسنون ودعائے مقرون کے معلوم ہو کہ آپ کے ارسال کردہ دو عدد ''المصداق'' موصول ہوئے یادآوری اور کرم فرمائی کا شکریہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کے صدقے آپ کو صحت وعافیت اور سلامتی ایمان کے ساتھ تادیر قائم ودائم رکھے۔ آپ کے پرچے تو مجھے کافی روز پہلے موصول ہو گئے تھے لیکن میں اس وقت کراچی میں نہیں تھا تاخیر کی معذرت چاہوں گا ایک پرچہ حضرت قائد اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی صاحب صدیقی دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں آپ کے حسبِ ارشاد پیش کر دیا گیا۔ ماشاء اللہ حسن صوری اور حسن معنوی کے لحاظ سے پچھلے پرچوں سے اچھا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ آپ اور آپ کے دیگر رفقاء جس محنت اور جاں فشانی کے ساتھ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے ایمانی روحانی نورانی اور علمی جواہر پاروں کو پیش کر رہے ہیں بے ساختہ دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بالخصوص آپ اور آپ کے

رفقاء کی ان مساعی جمیلہ کو شرف قبول عطا فرمائے نیز یہ کہ مجلس شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمہ کا رکن مجھے بھی بنایا جائے رکنیت فیس سو روپے (۱۰۰) حاضر ہیں اور انشاء اللہ اس کے علاوہ بھی جو ہر ممکن تعاون ہوا کروں گا۔

والسلام مع الاکرام ۲/دسمبر ۲۰۰۱ء

احقر جمیل احمد نعیمی

O علامہ محمد منشا تابش قصوری جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور۔

محترم المقام جناب شاہ انجم بخاری زادت عنایاتکم

سلام ورحمت بعد از دعوت عافیت طرفین،

''المصداق (۲۰۰۲ء۔۲۰۰۱ء) شمارہ ۶۔۵، باصرہ نواز ہوا عزیز القدر محمد رفیق اشرفی زید مجدہٗ کے ہاتھوں پہلے بھی ایک شمارے سے مستفیض ہو چکا ہوں، آپ کی بے پایاں عنایات پر پیہم شکریہ ادا کرتا ہوں، باوجودیکہ میری طرف سے کوتاہی ہوئی مگر کرم بالائے کرم آپ نے نظر انداز نہیں فرمایا، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے بہرہ مند فرمائے۔

''المصداق'' کا یہ کتابی سلسلہ اپنی افادیت کے باعث انشاء اللہ العزیز قبولیت ومحبوبیت سے شادکام ہوگا۔ آپ نے جس قلمی، تحقیقی اور تاریخی مشن کو آگے بڑھانے کی طرح ڈالی ہے، گو یہ راستہ انتہائی کٹھن، دشوار گزار، تکلیف دہ اور صبر آزما ہے۔ مگر لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کے روح پرور، ایمان افروز ربانی ارشاد کے پیشِ نظر آپ یقیناً کامیابی وکامرانی سے سرفراز ہوں گے۔

زیر نگاہ شمارہ ۶۔۵ مجموعی طور پر بہت خوب ہے لیکن حضرت امام المجاہدین احمد اللہ شاہ قادری، مدراسی شہید جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے جامع احوال وآثار نے اس کی قدر ومنزلت کو بلندیوں تک پہنچا دیا ہے۔ یہ ایک تاریخی دستاویز کی طرح محققین کے لیے نعمتِ عظمیٰ سے کم نہیں۔

راقم السطور نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ پر عرصہ ہوا ایک کتاب کا ابتدائیہ لکھا تھا۔ تلاش کے باوجود وہ کتاب دستیاب نہ ہو سکی اب حضرت کی شہرۂ آفاق کتاب ''شرح

فتوح الغیب“ کا ترجمہ کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے جس کے آغاز میں محبوب سبحانی شہباز لامکانی حضرت سیدنا غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات کے ساتھ حضرت محقق اعظم ہند علیہ الرحمہ کے احوال بھی زیر قلم ہیں۔

ان کی تکمیل کے بعد ”المصداق“ کے لیے ایک مقالہ ”حضرت شیخ کا حصول علم سے عشق“ حاضر کروں گا۔ دعا کریں یہ کام جلد مکمل ہو۔ اُمید ہے ماہِ صیام میں ترجمہ مارکیٹ میں آجائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

”مجلس شیخ عبدالحق محدث دہلوی“، کے قیام پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اپنے رفقاء سے میرا سلام پہنچادیں۔

باقی حالات لائق صد شکر ہیں۔

فقط والسلام مع الاکرام

طالب دعا محمد منشا تابش قصوری

(نوٹ) ”معید الایمان“ اور ”لذۃ الارواح“ بھی خوب ہیں المصداق کا دوسرا شمارہ جناب محمد رفیق اشرفی کو پہنچادوں گا، مطمئن رہیئے گا۔

○ پروفیسر ڈاکٹر عارف نوشاہی ادارۂ معارف نوشاہیہ، ۶۹ ماڈل ٹاؤن، ہمک، اسلام آباد

مکرم شاہ انجم بخاری صاحب

سلام مسنون

المصداق کا شمارہ خاص ۲۰۰۲۔۲۰۰۱ء موصول ہوا۔ شکریہ۔ یہ بڑی بات ہے کہ کسی ایک مقصد اور نہج پر شائع کیے جانے والے رسالے پر مطلوبہ معیاری مواد فراہم کیا جاتا رہے۔ خدا آپ کو توفیقاتِ مزید ارزانی کرے۔

حضرت شیخ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصانیف کی ایک فہرست خود مرتب کی تھی اور غالباً یہ رسالہ (فہرست) حکیم شمس اللہ قادری کے اہتمام پر حیدر آباد دکن سے شائع بھی ہوا تھا۔ اگر مذکورہ رسالے کے قلمی نسخے اور حیدر آباد ایڈیشن دستیاب ہو تو اسے جدید کتابیاتی (Bibliographical) انداز میں

ازسرنو مرتب کرنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ کیا یہ رسالہ آپ کی نظر سے گزرا ہے؟ اور فراہم ہو سکتا ہے؟

۱۱۔۱۰/۱/۲۰۰۱ء

والسلام عارف نوشاہی

O ڈاکٹر خضر نوشاہی ساہن پال شریف، براہ جو کالیاں، ضلع منڈی بہاؤالدین

محترم جناب شاہ انجم بخاری صاحب زید عزہ العالیٰ

سلام مسنون

ہر دو رسالہ (انشاء + المصداق) بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک موصول ہو گئے ہیں۔ جزاک اللہ۔ اطلاعاً عرض ہے کہ پہلے سے ارسال کردہ آپ کا المصداق کا شمارہ بھی مل گیا ہے۔ میری عدم موجودگی میں بچوں نے اُسے سنبھال دیا تھا، لیکن میرے علم میں نہ تھا۔ آپ کو خط تحریر کرنے کے بعد ایک روز کتابوں کو اُلٹ پلٹ کرتے ہوئے وہ رسالہ ملا تو مجھے بے حد ندامت ہوئی، کہ آپ کو دوبارہ ناحق زحمت دی۔ پھر ایک بار خیال آیا کہ بذریعہ خط آپ کو مطلع کروں، لیکن پھر سوچا کہ اس وقت تک آپ میرے پہلے خط پر عمل درآمد کر چکے ہوں گے۔ اس لیے خاموش رہا۔ بہرحال بہت مہربانی کہ آپ نے دونوں رسائل ارسال فرمائے۔ المصداق کا دوسرا شمارہ کسی اہلِ علم کی نذر کر دوں گا۔ انشاءاللہ

"روضات" کے بارے میں مجھے علم نہیں۔ اگر آپ اس کی فوٹو کاپی ارسال فرما دیں تو میں اس پر بھرپور توجہ سے تحقیق کر سکوں گا۔ اُمید ہے آپ مجھے اس آسانی کے لیے اس کی فوٹو کاپی ضرور فراہم کریں گے۔

المصداق کو پڑھ کر پھر اس پر اپنی رائے لکھوں گا۔ انشاءاللہ

۱۸/اپریل ۲۰۰۲ء

والسلام دعا گو و دعا جو

خضر نوشاہی

O محمد نذیر رانجھا اسلامی نظریاتی کونسل، ۲۔۵۔جی، اسلام آباد

محترم المقام جناب شاہ انجم بخاری۔ زاد لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احقر ایک ماہ رخصت پر تھا۔ آفس آیا تو ڈاک میں آپ کا مرسلہ پیکٹ باصرہ نواز ہوا۔ جس میں

آپ نے احقر کے لیے المصداق [٦-٥] اور معید الایمان اور کونسل کی لائبریری کے لیے المصداق [٦-٥] کی ایک کاپی بھیجی ہے۔ ذرّہ نوازی کا شکریہ! جزاک اللہ۔

المصداق [٦-٥] کونسل کی لائبریری میں زیرِ نمبر 20072 درج کر کے مراجعین کے استفادے کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ اس سے قارئین بھرپور مستفید ہوں گے۔

زیرِ نظر شمارے کی ضخامت اور اس کے مندرجات کی اہمیت یکساں قابلِ قدر ہیں۔ اللہ کریم آپ کو اپنے مقاصدِ خیر میں کامیاب فرمائیں۔ آمین۔

۳ر نومبر ۲۰۰۱ء محتاجِ دعا۔ احقر

محمد نذیر رانجھا

○ رشید وارثی ۱۹۰ر اقصرِ وارث، شاہ فیصل کالونی، کراچی

گرامی قدر جناب شاہ انجم بخاری صاحب زید مجدکم

السّلام علیکم

آپ کی زیرِ ادارت شائع ہونے والے "المصداق" حیدر آباد کے مطالعے کا موقع ملا۔ خاص شمارہ ۲۰۰۲ء۔۲۰۰۱ء بڑا معیاری مجلّہ ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے فدوی کو خاص قلبی لگاؤ ہے اور اس کی وجہ ان کی معتدلانہ تعلیمات ہیں۔ حسبِ اشتہار مبلغ سو روپے کا چیک منسلک رقعہ ہذا ہے۔ فدوی کو اپنے ادارے "مجلس شیخ عبدالحق محدث دہلوی" کی رکنیت سے بہرہ مند فرمائیے۔ نوازش ہوگی۔

از راہِ کرم المصداق کا خاص شمارہ ۲۰۰۲ء۔۲۰۰۱ء ارسال فرما کر مزید احسان فرمائیں۔ اس کے لیے مزید رقم ارسال کرنے کی ضرورت ہو تو بذریعہ V.P ارسال فرما دیں یا مطلع فرمایا جائے۔ تاکہ تعمیلِ ارشاد ہو سکے۔

۲۸ر اکتوبر ۲۰۰۱ء والسّلام، احترامات کے ساتھ

رشید وارثی عفی عنہ،

O سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی مدیر ''نعت رنگ'' کراچی

محترم جناب شاہ انجم بخاری صاحب

سلام مسنون!

ایک طویل انتظار کے بعد المصداق کا خاص نمبر نظر نواز ہوا۔ شکریہ۔ ارادہ تھا کہ فوراً فون پر اس کی رسید دے دوں لیکن شمارے میں کہیں بھی فون نمبر نظر نہیں آیا سو آج یہ چند سطور بطور رسید لکھ رہا ہوں۔

المصداق کا یہ خاص شمارہ بھی گذشتہ شماروں کی طرح آپ کی اور آپ کے رفقا کی محنت، ریاضت اور ذاتی لگن کا ثمر شیریں ہے اس میں مضامین و مقالات کا تنوع اور تحریروں کا علمی و تحقیقی مزاج اس کے معیار کی بلندی کا ضامن ہے آپ نے المصداق میں کئی علمی و تحقیقی موضوعات پر لکھ کر یا لکھوا کر اس کی قدرو قیمت کو بڑھا دیا ہے۔

جناب شفقت رضوی کے مضمون کے پیچھے آپ کی مدیرانہ صلاحیت اور موصوف کی تحقیقی لگن اور جستجو کے رنگ صاف دکھائی دیتے ہیں۔

''منہاج العقاید پر ایک نظر'' کے لیے بھی میں آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے اس پر محنت سے لکھا ہوا تبصرہ شایع کیا اس کے لیے میں آپ کا اور جناب پروفیسر خادم حسین قریشی صاحب کا ممنون ہوں گو کہ مجھے یہ تبصرہ اپنے مبصّر کی محنت اور جذبۂ اخلاص کی وجہ سے پسند آیا لیکن بعض جگہ تاویلات اطمینان بخش نہیں تھیں لیکن یہ موضوع ہی ایسا ہے کہ اس پر کلّی اتفاقِ رائے ممکن نہیں۔

خطوط سے اندازہ ہوا کہ ''المصداق'' علمی حلقوں میں شوق سے پڑھا جا رہا ہے اور اہلِ علم اس کی طرف متوجہ ہیں مجھے یقین ہے کہ اگر آپ اسی طرح محنت و محبت سے اس جریدے کے لیے کوشاں رہے تو وہ دن دور نہیں جب المصداق، ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے ''تحقیق'' کی کمی کو کسی حد تک پورا کرنے میں کامیاب ہو جائے گا (انشاء اللہ) آپ کی صحت و سلامتی اور المصداق کی کامیابی کے لیے۔

۱۹/اکتوبر ۲۰۰۱ء

دعا گو

صبیح رحمانی

پس نوشت: اگر ممکن ہو تو المصداق، افکار رضا ممبئی الکوثر سہسرام اور اُردو بک ریویو نئی دہلی کو ارسال

فرمائیں۔ پتے نعت رنگ میں شائع ہوتے ہیں۔ یہ کام جناب اقبال احمد فاروقی بھی بخوبی کرسکتے ہیں۔
چند کتابیں جلد روانہ کروں گا ''نعت رنگ'' اور ''سفیر نعت'' میں المصداق کا اشتہار شایع کیا گیا ہے۔

اقلیم نعت: ای۔۲۰۱، صائمہ ایونیو سیکٹر، بی۔۱۴، شادمان ٹاؤن نمبر۲، نارتھ کراچی

○ پروفیسر ڈاکٹر ناصر الدین M-11، ماریہ ہل ویو سیکٹر بی۔۱۴، شادمان ٹاؤن، نارتھ کراچی

برادرم جناب پروفیسر شاہ انجم بخاری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

''المصداق'' کا شمارہ (کتابی سلسلہ ۶۔۵) برادرِ عزیز جناب سید محمد صبیح الدین صبیحؔ رحمانی کے توسط سے موصول ہوا۔ رسید لائبریری بھی موصول ہوئی۔ یاد آوری کا شکریہ۔

اس سے قبل کے تینوں شمارے بھی باصرہ نواز ہوئے اُن سے متعلق اپنی رائے گزشتہ خط میں عرض کرچکا ہوں۔ اس شمارے کے ۱۶۰+۱۱۲ صفحات میں جو علمی، ادبی، دینی اور تحقیقی مضامین ومقالہ، خصوصی شائع کیے گئے ہیں۔ ان کے معیار سے میں بہت مطمئن ہوں اور دعا گو ہوں کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ اسی طرح آپ تمام حضرات کو جو اس مجلّے کے لیے دامے درمے قدمے اور سخنے مصروفِ عمل ہیں، فلاح دارین عطا فرمائے اور اسی طرح خدمتِ دین کرنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

گذشتہ خط میں احقر نے عرض کیا تھا کہ یہ ناچیز بھی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی علمی خدمات کے حوالے سے کچھ لکھنے کی آرزو رکھتا ہے مگر جب ان چاروں شماروں میں اس قدر تفصیلی مواد باصرہ نواز ہوا تو اب یہ سوچ کر کہ کوئی نئی بات جدّت وندرت کے تقاضوں کے مطابق لکھنا تو ممکن نہیں، اس لیے دست کش ہوگیا۔

البتہ ایک مقالہ ''سیرت محمدی ﷺ تہذیب وترقی کا سرچشمہ'' (عصر حاضر کے مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں) تحریر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ (۱۲ رفل اسکیپ صفحات) اگر یہ مجلّہ اس قسم کے مقالات شایع کرسکتا ہو تو انشاء اللہ آپ کے مطالبے پر پیش کردیا جائے گا۔
باقی حالات قابل صد شکر ہیں۔

۲۰ رنومبر ۲۰۰۱ء

طالب دعا، احقر
ناصر الدین عفی عنہ

O ڈاکٹر محمد یونس قادری امام باڑہ،، اسٹریٹ، صدر کراچی

محترم شاہ انجم بخاری صاحب

سلام مسنون!

اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ کے کرم سے اور بزرگانِ دین خصوصاً بفیضانِ نظر شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے، جامعہ کراچی نے راقم کو Ph.D کی ڈگری تفویض کردی (جس کی نقل خط کے ساتھ لگی ہے)۔ جیسا کہ اس سے قبل میں نے آپ کو تفصیل سے لکھا تھا کہ راقم گذشتہ ۵ برسوں سے اس کام کی تکمیل میں لگا ہوا تھا۔ ساتھ ہی عنوان .B.A.S.R جامعہ کراچی کا اجازت نامہ (داخلہ M.Ph/Ph.D) کی نقل بھی ہے۔ البتہ اب تینوں ایکسٹرنل ایگزامنر کے مشورے سے مکمل عنوان (مقالے کا) یہ ہوگا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۵۵۱ تا ۱۶۴۲ء) بحثیت دینی سیاسی مفکر۔

ایک تقابلی وموضوعی جائزہ

انشاء اللہ مقالے سے متعلق مختصر تذکرہ آئندہ خط میں کیا جائے گا۔ تمام احباب کی خدمت میں سلام عرض ہے۔

۱۲/ اکتوبر ۲۰۰۲ء

احقر

ڈاکٹر محمد یونس قادری

O محمد یونس ولد صوفی محمد شریف نوشاہی محلہ مغل پورہ، جلال پور روڈ، ضلع حافظ آباد۔

سیّدی ومحترمی قبلہ شاہ انجم بخاری صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،

بصد ادب عرض ہے کہ المصداق شمارہ نمبر ۶۔ ۵ تشریف لایا جسے پاکر دل باغ باغ ہوگیا۔ آنجناب نے اسے بڑا علمی وتحقیقی مجلّہ بنا کر قارئین تک پہنچایا ہے۔ محقق دوراں خاتم المحد ثین عمدة المحد ثین امام اجل الشیخ الشیوخ قبلہ عالم حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز پر بڑے اہم بلند پایہ تحقیقی مضامین مجلّے کی زینت بنائے جسے اہل علم وفضل یقیناً پسند فرمائیں گے اور آپ کی

محنت حسن انتخاب اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سابقہ تمام شماروں میں عظیم ضخامت پر مشتمل اچھی طباعت پر داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

اس عظیم کاوش پر قابلِ صد تحسین ہیں۔ علاوہ ازیں پروفیسر سید شفقت رضوی صاحب کی تحقیق انیق پر مشتمل خصوصی مقالہ، احمد اللہ شاہ قادری مدراسی شہید" مجلّے کی زینت بنانے پر جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ کرم بالائے کرم آپ نے "معید الایمان" سے نوازا اور میری خواہش پر سہ ماہی انشاء حیدرآباد کے چند شمارے فراہم فرمائے۔ ان نوازشات پر بہت بہت شکریہ بعد ازاں آپ نے المصداق کے نئے شمارے کے لیے زراعانت قبول فرمانے کی نوید سناتے ہوئے انشاء کے خریداروں میں شامل کر لینے سے آگاہ کرنے کے لیے مکتوب گرامی تحریر فرمایا جس کے لیے بے حد ممنون ہوں۔

قبلہ بخاری صاحب! عرض ہے کہ محترم ایم زمان کھوکھر ایڈوکیٹ نے دہلی میں روحانی و تاریخی مقامات پر حاضری کی سعادت حاصل کر کے اپنے سفرنامے کو کتابی صورت میں قارئین کے سامنے پیش کیا ہے کتاب کا نام "اولیائے ہند اور مسلمانوں کی عظمت کے نشان (باتصویر) دہلی کی کہانی تصاویر کی زبانی" ہے۔ اس کے صفحہ نمبر ۱۰۴ تا ۱۰۶ پر "درگاہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی" کے زیرِ عنوان نہایت اہم معلوماتی مضمون شامل ہے۔ چھ صد (۶۰۰) صفحات پر مشتمل اس کتاب کے مضمون میں روضۂ مبارکہ کی خوبصورت تصویر بھی ہے۔ تاریخ و تصاویر کے متلاشی "ایم زماں کھوکھر ایڈوکیٹ یاسر اکیڈمی بالمقابل سیشن کورٹ کچہری روڈ گجرات پاکستان" کے ایڈریس پر ساڑھے تین صد روپے میں کتاب حاصل کر سکتے ہیں۔ حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے مزید عرض ہے کہ کتاب "دلّی کی برادریاں" کے باب ۲۹ صفحہ ۳۱۹ پر قبلہ شیخ محقق نوراللہ مرقدہٗ کی علمی خدمات کا اس طرح اعتراف کیا گیا ہے: "دلّی کے اندر دو بڑی علمی درسگاہیں تھیں ایک مدرسۂ شاہ عبدالحق محدث دہلوی (پرانے قلعہ کے سامنے) جس میں شاہ صاحب کے صاحبزادے تعلیم دیتے تھے اور دوسرا پنج کوئیاں روڈ پر سید حسن رسول نما علیہ الرحمہ کا مدرسہ ۰۰۰ شاہ صاحب کا مدرسہ عہد اکبری سے قائم تھا اور اس کی شہرت دور دور تھی اس کے ہوتے ہوئے کوئی جدید مدرسہ کیسے ترقی کر سکتا تھا" اس کتاب کے آخر میں اکابر دیوبند کی متعدد تصاویر کے بعد چند ایک مقامات مقدسہ کی تصاویر میں حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی

تصویر بھی شامل ہے اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۱۴ پر ''مولانا سلام اللہ دہلوی'' کے زیر عنوان درج ہے:

''شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد میں سے تھے بڑے محدّث فقیہ تھے نواب فیض اللہ خاں والیِ رام پور کی دعوت پر رام پور تشریف لے گئے اور اسی تاریخی ریاست میں علم کی روشنی پھیلائی اور وہیں وفات پائی سن وفات ۱۲۳۳ھ ہے''۔

تاریخ و تصاویر کے شائقین ''دلّی کی برادریاں از مولانا سیّد اخلاق حسین قاسمی دہلوی (دیوبندی) ۲۲۵ روپے میں مکتبہٴ رشیدیہ بالمقابل مقدس مسجد اُردو بازار کراچی سے خرید سکتے ہیں۔

شاہ جی! عریضہ طویل ہونے پر معذرت خواہ ہوں مزید برآں تاخیر کی معذرت بھی۔

المصداق کے نئے شمارے کی جلوہ گری تک خدا حافظ۔ آنجناب سمیت تمام احباب کی خدمت میں پرخلوص محبت بھرا اسلام عرض

۶/جون ۲۰۰۲ء

یکے از قارئین المصداق

محمد یونس ولد صوفی محمد شریف نوشاہی

۵ صاحبزادہ پیر سیّد محمد زین العابدین شاہ راشدی آستانہ قادریہ ملیر کراچی۔

محترم شاہ انجم بخاری صاحب۔

السّلام علیکم! اُمید ہے بخیریت ہوں گے۔

محبت نامہ موصول ہوا۔ علامہ شمسی صاحب پر جو کتاب شاہ صاحب [سید منیر حیدر شاہ] چھپوانا چاہتے ہیں اس کی ایک کاپی ملنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ شاہ صاحب کو مزید ہمّت و توفیق سے نوازے آمین۔

مطالعہٴ بریلویت کا جواب مولانا حسن علی میلسی کے قلم سے محاسبہٴ دیوبندیت کے نام سے ۲ جلدوں میں شایع ہو کر مارکیٹ میں آچکا ہے۔

محترم پروفیسر خادم حسین قریشی صاحب بھی مبارکباد کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ انھیں اجرِ کثیر عطا فرمائے کہ انھوں نے ''بریلوی چونہ بنیس'' کا جواب لکھ کر اہم کام انجام دیا اور شک وشبہ کو دور کیا۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ سندھی ترجمہ وہ خود کر رہے ہیں۔ یہ بھی بہت بڑی خوشخبری ہے۔ دعا ہے کہ جلد اشاعت کے زیور سے آراستہ ہو۔ اشاعت سے قبل ایک نظر دیکھنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ والسّلام

راشدی، لاڑکانہ

○ **محبوب احمد بھٹی** اسٹیشن ماسٹر، محلہ بھٹیاں والا، نزد ریلوے اسٹیشن کروڑ لعل عیسن ضلع لیہ

واجب الاحترام ومحترم المقام جناب قبلہ بخاری صاحب

السلام علیکم! عرض یہ ہے کہ المصداق کا شمارہ مل گیا تھا۔ بندہ اس دوران پریشانیوں میں مبتلا رہا۔ پہلے والد صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے، ان کے بعد بندے کا اکلوتا بیٹا بھی اللہ کو پیارا ہو گیا۔ والد صاحب اور لڑکے کی بیماری اور پریشانی کی وجہ سے بوقت آپ کو المصداق کی وصولی سے مطلع نہ کر سکا۔ اس کے لیے بندہ معذرت خواہ ہے۔ آپ کا ارسال کردہ پوسٹ کارڈ بھی بندے کو مل گیا ہے۔

اس مرتبہ المصداق کے صفحات میں اضافہ قابلِ تحسین قدم ہے۔ المصداق میں آپ نے خصوصی مقالہ احمد اللہ شاہ قادری مدراسی'' بھی شامل کر دیا ہے اس مقالے کو اگر آپ علاحدہ کتابی شکل میں شائع فرمادیتے تو بہتر تھا۔ اس طرح یہ شمارہ صرف حضرت عبدالحق محدث دہلوی'' کی تعلیمات کے لیے ہی مخصوص رہتا۔ قندِ مکرر میں آپ نے تعلیمات حضرت محدث دہلوی پر روشنی ڈالی ہے۔ بہت خوب ہے۔ قندِ مکرر کو مزید وسعت دے کر حضرت صاحب کی زیادہ سے زیادہ کتب کی روشنی میں ان تعلیمات کو اُجاگر فرمائیں۔ کیوں کہ آج کل بہت سے پڑھے لکھے ڈاکٹر بھی حضرت صاحب کی تعلیمات کے ساتھ اپنے عقیدے کی پیوند کاری سے اجتناب نہیں کرتے۔

۰۰۰ المصداق کے ساتھ رسالہ لذۃ الارواح بھی مل گیا تھا۔ بندے کو ایسے نادر و نایاب رسائل و کتب کی تلاش رہتی ہے۔ براہِ کرم کوئی نادر و نایاب کتاب چھپے یا آپ کی نظر سے گزرے، اپنے طریقے کے متعلق ہو تو ضرور بندے کے لیے خرید فرمالیا کریں۔ خصوصاً حضرت عبدالغفار نقشبندی مجددی المعروف پیر مٹھا رضی اللہ عنہ کی زندگی، مکتوبات و ملفوظات کے متعلق کوئی کتاب شائع ہوئی ہو تو ضرور خرید فرمالیا کریں۔

سہ ماہی ''الطاہر'' حیدر آباد والوں نے آپ کے حالاتِ زندگی کے متعلق کوئی خصوصی نمبر شائع کیا ہے۔ کیا یہ نمبر اب مل سکتا ہے۔ ضرور آگاہ فرمائیں۔

جو بھی آپ کتب خرید فرمائیں بندہ ان تمام کا ہدیہ ارسال فرمادے گا۔ ''معید الایمان'' مصنفہ پروفیسر خادم حسین قریشی شایع ہوگئی ہو تو یہ بھی ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

دعا گو

۲۴ رنومبر ۲۰۰۱ء

محبوب احمد بھٹی، محلہ بھٹیاں والا

ضمیمہ بسلسلۂ ''روضات''

[ہم نے ملک کے بعض معروف اہلِ علم و دانش، جو ہمارے قلمی معاونین، شفیق سرپرست اور کرم فرما بھی ہیں، کی خدمتِ عالیہ میں رسالۂ روضات، کے بارے میں اپنے کچھ خدشات اور استفسارات عرض کیے تھے۔ ہم ان حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے، ان کے مکتوبات کے متعلقہ حصّے اس ضمیمے کی صورت میں پیش کر رہے ہیں۔ صراحتاً عرض ہے کہ یہ تمام مکتوبات احقر کے نام ہیں۔ احقر شاہ انجم بخاری عفی عنہ]

o جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (کراچی):

''۰۰۰ عرصہ ہوا 'روضات' نظر سے گذری تھی، اب اس کے بارے میں کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ اُمید ہے کہ خیال نہیں فرمائیں گے۔ اگر ممکن ہو تو استاذی پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب سے دریافت فرمالیں''۔

(مکتوب محررہ ۳۱/مارچ ۲۰۰۲ء)

o جناب ڈاکٹر خضر نوشاہی (ساہن پال شریف):

''۰۰۰ روضات کے بارے میں مجھے علم نہیں۔ اگر آپ اس کی فوٹو کاپی ارسال فرمادیں تو میں اس پر بھرپور توجہ سے تحقیق کر سکوں گا۔ اُمید ہے آپ مجھے اس آسانی کے لیے اس کی فوٹو کاپی فراہم کریں گے''۔

(مکتوب محررہ ۱۸/اپریل ۲۰۰۲ء)

o جناب علامہ محمد منشا تابش قصوری (لاہور):

''۰۰۰ کتاب 'روضات' کے بارے میں فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا چند روز تک بعد از تحقیق اس سلسلے میں خط ارسال کروں گا۔

'مفتی انتظام اللہ شہابی' متعدد کتب کے مصنف تھے، کراچی میں فوت ہوئے، مؤرخ کی حیثیت رکھتے تھے، محقق نہیں تھے۔ رطب و یابس سے کام لینا ان کا مشغلہ تھا''۔

(مکتوب اوّل: محررہ ۶/صفر ۱۴۲۳ھ)

"... جس کتاب غالباً ... 'روضات' کے متعلق دریافت فرمایا تھا' کیا یہ حضرت محقق علیہ الرحمہ کی ہے یا نہیں؟ راقم نے مختلف کتب خصوصاً خلیق احمد نظامی کی کتاب ... کو دیکھا، اس میں موصوف نے آپ کی جملہ تصانیف کی فہرست کے علاوہ فنون پر الگ الگ تقسیم کر کے تعارف کرایا ہے، مگر اس نام کی تصنیف کا اس میں وجود نہیں"۔

(مکتوب دوّم: محررّہ ۹ر مئی ۲۰۰۲ء)

o جناب پیرزادہ علاّمہ اقبال احمد فاروقی (لاہور):

"... مجھے شیخ محدث کا رسالہ 'روضات' نہیں ملا۔ ... اس کے ترجمے و تعلیقات اور اشاعت کا علم نہیں ہے تاہم آپ نے توجہ دلائی ہے، احباب سے دریافت کروں گا۔ اگر کہیں سے اصل یا ترجمہ مل گیا تو حاضر کر دوں گا"۔

(مکتوب محررّہ ۲۶ر مارچ ۲۰۰۲ء)

o جناب علاّمہ محمد عبد الحکیم شرف قادری (لاہور):

"... حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب 'روضات' فقیر کی نظر سے نہیں گزری، چونکہ طبیعت ناساز رہتی ہے اور میں قرآن پاک کا ترجمہ کر رہا ہوں اس لیے مزید کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا"۔

(مکتوب محررّہ ۲۶ر مارچ ۲۰۰۲ء)

o جناب ڈاکٹر سفیر اختر (اسلام آباد)

"... 'روضات' سے میں متعارف" [۔ناخوانہ] مگر نہ میرے پاس ہے، اور نہ یہاں اسلام آباد میں کسی معروف ادارے میں اس کا نسخہ نظر آیا۔ ترجمہ دیکھنے سے ہی کوئی بات سامنے آ سکتی ہے"۔

(مکتوب محررّہ ۲۸ر اکتوبر ۲۰۰۲ء)

تعارف و تبصرہ

(تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیں)

مبصّر: شاہ انجم بخاری

نعت اور آدابِ نعت (’نعت رنگ‘ میں مطبوعہ خطوط کا مجموعہ)

مصنّف	:	ڈاکٹر کوکب نورانی اوکاڑوی
مرتّب	:	صاحب زادہ ارشد جمال نقش بندی
ناشر	:	ضیاءُ القرآن پبلی کیشنز، لاہور
ویب سائٹ	:	www.ziaulquran.com
ضخامت	:	۲۰۴ صفحات، سنہ اشاعت: اوّل، مارچ ۲۰۰۳ء
ہدیہ	:	= روپے

زیر نظر کتاب اُردو مکتوب نگاری کے حوالے سے ایک اہم تصنیف ہے۔ اس کتاب میں موضوع کی اہمیت کو جو اوّلیت حاصل ہے، یعنی اُردو کے نعتیہ ادب میں مطلوبہ شرعی آداب کو ملحوظ

خاطر رکھنا، وہ بجائے خود تمام تر سنجیدگی، ہوش مندی، سلامت روی، محبت اور ادب واحترام کا متقاضی ہے۔

اس کے مصنف گوناگوں خوبیوں کے حامل اور ہمارے تعارف سے بے نیاز ہیں۔ اللہ جلّ مجدہٗ نے انھیں بہت سی ایسی صلاحیتیں بخشیں ہیں اور سرکارابد قرار ختمی مرتبت ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ سے اُن پر خوب خوب نوازشیں ہوئیں ہیں۔ جس نے انھیں اہلِ محبت میں لائق رشک بنادیا ہے۔ آپ کی شخصیت کے بارے میں کوئی سرسری بھی تحریر کرنا چاہے تو اس سے کم کیا لکھے گا کہ آپ خوش رو بھی ہیں اور خوش فکر بھی، خوش عقیدہ بھی ہیں اور خوش گفتار بھی، خوش خط بھی ہیں اور خوش اسلوب بھی، بات کہنے اور لکھنے کا ڈھنگ آپ کو علماٗ ہی کی صف میں ممتاز نہیں کرتا بلکہ اُدباٗ میں بھی قابلِ احترام بناتا ہے۔ آپ کی تحریر وتقریر کا مرکز ومحور خوفِ خدا اور حُبِّ رسول ﷺ ہوتا ہے۔ آپ کی گفتگو کی جامعیت عام وخاص ہر دو قسم کے لوگوں کے لیے یکساں دل کشی کا سامان رکھتی ہے۔ یہ کیفیت یوں ہی پیدا نہیں ہوا کرتی بلکہ از دل خیز دو بر دل ریزد کے باعث ہی یہ اثر نصیب ہوتا ہے۔

زیرنظر کتاب کہنے کو تو نو (۹) مکتوبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے ''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والے مضامین کے تنقیدی وتحقیقی جائزے کے نتیجے میں مدیر ''نعت رنگ'' کے نام لکھے لیکن ان (خطوط) میں کیا نہیں ہے جو کسی تحریر کو ادبی رنگ بخشنے کے لیے ضروری خیال نہ کیا جاتا ہو۔

آپ کے مکتوبات میں جہاں عالمانہ وادیبانہ شان پائی جاتی ہے وہیں یہ مؤثر اظہار وابلاغ کی خصوصیات سے بھی مالا مال ہیں۔ اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو یہ مکتوبات سلاست وروانی، تفحص وتفتیش، تحقیق وتنقید، دل چسپی واثر پذیری کے علاوہ مکالماتی انداز بیان کا عمدہ نمونہ بھی ہیں۔

زیرنظر کتاب کے آغاز میں محترم ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی اور جناب مشفق خواجہ ایسے اُردو کے ممتاز محققین اور اہل نقد نے بھی آپ کی علمی وادبی خوبیوں کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ علاوہ ازیں جناب پروفیسر علی محسن صدیقی، جناب پروفیسر محمد اسحاق قریشی اور جناب عزیز احسن نے بھی ان مکتوبات کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے۔

بلاشبہ یہ کتاب نعت اور تنقید نعت کے سلسلے میں مفید رہنما اصول فراہم کرنے کا مؤثر ذریعہ ثابت ہوگی۔

اس کتاب کے محرک جناب صبیح رحمانی بجا طور پر تحسین و تشکر کے مستحق ہیں جن کی بدولت اُردو نعت اور تنقید نعت روز افزوں ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہے۔

خوشبوے دوست (عارفانہ کلام)

شاعر : حضرت ستار وارثی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر : رئیس وارثی، صدر، اُردو مرکز، نیویارک

قیمت : =/۲۰۰ روپے

ملنے کا پتا : فیروز سنز لمیٹڈ، کلفٹن، کراچی

ضخامت : ۲۲۴ صفحات، سنہ اشاعت، فروری ۲۰۰۳ء

زیرِ تبصرہ کتاب حضرت عبدالستار خاں وارثی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۲۴ء۔۱۹۸۵ء) کی غیر مطبوعہ عارفانہ غزلوں کا آخری مجموعہ ہے۔ آپ سلسلۂ وارثیہ کے مشہور بزرگ حضرت حاجی حافظ سیّد وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے سچّے معتقد اور عاشق زار تھے۔ آپ کی زندگی کے شب و روز ''عشق'' سے عبارت نظر آتے ہیں۔ پیشِ نظر کلام آپ کے جذبۂ عشق کا مظہر ہے۔ دیکھنے والے چاہے آپ کے کلام کو جس زاویۂ نظر سے دیکھیں انھیں ہر پہلو سے عشق ہی کی کارفرمائی نظر آئے گی۔ خواہ وہ خدا اور اس کے حبیب پاک ﷺ سے عشق ہو یا اہل بیت سے، قرآن و حدیث سے عشق ہو یا مرشد گرامی سے۔ آپ کے یہاں تو عشق سے بات شروع ہوتی ہے اور عشق ہی پر تمام ہوتی ہے گویا: ع

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

یا پھر ع

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا

والی کیفیت سامنے آتی ہے۔اس سے قبل آپ کی دیگر تصنیفات ''آیۂ رحمت''، ''معطر معطر''، ''حرفِ معتبر'' اور ''عرفانِ وارث'' بھی شایع ہو چکی ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب نہایت سلیقے سے شایع کی گئی ہے۔ٹائیٹل کی خوشنمائی رشید وارثی کی مرہون منت ہے۔کتاب کے ناشر اُردو مرکز نیو یارک کے صدر اور حضرت عبدالستار وارثی کے فرزند ارجمند ہیں۔اس مجموعے کی خوبصورت اشاعت و پیش کش والد گرامی سے ان کی بے پناہ عقیدت اور سچّی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

یوں تو پیش نظر مجموعے کی حمد، نعت اور منقبت پر مشتمل سبھی غزلیں ایمان افروزی کا سامان فراہم کرتی ہیں مگر احقر کے نزدیک حضرت عبدالستار کے کلام کا جوہر ان کی منقبت کے ذریعے کھلتا ہے۔ہم اپنے خیال کی تائید میں آپ کی منقبت کے کچھ اشعار ہدیۂ ناظرین کریں گے:

پی لے بس ایک جام مئے لا الہ کا — یہ مے کدہ ہے وارثِ عالم پناہ کا
جس پہ بھی اُٹھ گئی اُسے سرشار کر دیا — ادنیٰ سا یہ کمال ہے اُن کی نگاہ کا
اُن کے کرم کی شمعیں فروزاں ہیں ہر طرف — عالم میں فیض جاری ہے اس بارگاہ کا
اُن کی عنایتیں، جسے اپنا بنالیا — مظہر بنا ہوا ہے وہ شانِ الہ کا
اس آستاں پہ ہوتی ہے روشن جبیں دل — میں بھی ہوں اک فقیر اسی خانقاہ کا
اُن کی نوازشیں جو ہوئیں مائلِ کرم — نقشہ بدل گیا مرے حالِ تباہ کا

کیا یہ اشعار ان کے مشق تصوّر کے کمال کی چغلی نہیں کھاتے؟ بلاشبہ جب وہ تصوّر کی قوّت سے کام لیتے ہوئے اپنے نہاں خانۂ دل میں ہجومِ شوق کی ایک دنیا بساتے ہیں تو اس طرح کے مہکتے، مہکاتے بہت سے اشعار غزل کی جھولی میں ڈالتے چلے جاتے ہیں:

فرازِ شوق کی محفل سجا کر دیکھ لیتا ہوں — کبھی تجھ سے بھی میں تجھ کو چھپا کر دیکھ لیتا ہوں

خبر بھی ہے تمھیں کیا اہلِ راز کہتے ہیں؟ — خدائے حُسن ہو، سب دل نواز کہتے ہیں
جو میرے شوق کو وحشت طراز کہتے ہیں — وہ اے حسیں! تجھے دیوانہ ساز کہتے ہیں

چلے مست جب بھی سوئے حرم، تیرے در پہ آ کے ٹھہر گئے
اُنھیں راہِ ملکِ بقا ملی تیری راہ سے جو گزر گئے
وہ ہزار مجھ سے چھپا کریں مگر ایسے چھپنے سے فائدہ؟
وہ مرے تصوّر میں بس گئے، میری روح میں وہ اُتر گئے
جو نقاب رُخ سے ہٹا گئے تو فضا میں جلوے بکھر گئے
ہے عجیب کیف و سرور سا، وہ جدھر جدھر سے گزر گئے

حسینوں میں گزری، کٹی مہ وشوں میں، صنم کوئی ثانی تمھارا نہ پایا
حسیں یوں تو دنیا میں لاکھوں ہیں لیکن، خدا کی قسم کوئی تم سا نہیں ہے
میں حاضر ہوں، لے مجھ پہ مشقِ ستم کر، مگر عرض اتنی ہے اے بندہ پرور
نہ چارہ گری پہ تیری حرف آئے، مجھے اپنے مٹنے کی پروا نہیں ہے

زیرِ نظر مجموعے میں ایسے اشعار کی کمی نہیں ہے، کہاں تک مثالیں نقل کی جائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ فنافی الشیخ ہو چکے تھے۔ جبھی تو عشق کی چبھن اور دل کی تڑپ اس شدّت سے محسوس ہوتی ہے۔

کتاب کے آغاز میں جناب ڈاکٹر جمیل جالبی اور جناب سیّد ابوالخیر کشفی ایسے صاحبانِ نقد و نظر نے بھی اظہارِ خیال کیا ہے۔ فلیپ پر ڈاکٹر سیّد ارتقاق علی، احسان دانش، رئیس امروہوی، ڈاکٹر اسلم فرخی اور مولانا کوثر نیازی کی رائیں درج ہیں۔ بیک ٹائیٹل پر حضرت ستار وارثی کے جن ہم عصر مشاہیر کے تاثرات درج کیے گئے ہیں اُن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری، راغب مرادآبادی، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔

تعلیماتِ مصطفائی

مرتّب : حسن علی ہمیرانی مصطفائی
ناشر : جماعت اخوان مصطفائی

قیمت : =/۱۵۰ روپے (مجلّد)

ضخامت : ۴۵۲ صفحات، سنہ اشاعت، فروری ۲۰۰۲ء

ملنے کا پتا : حاجی محمد قاسم مصطفائی، اسٹار موٹرز اسٹور گاڑی کھاتہ حیدرآباد

زیر تبصرہ کتاب حیدرآباد سندھ کی ایک معروف روحانی شخصیت حضرت مصطفیٰ صبغۃ اللہ شاہ المعروف پیر ایرانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۰۰ء۔۱۹۸۶ء) کے ارشادات و تعلیمات پر مشتمل ہے۔ آغاز کتاب میں حضرت پیر ایرانی کا مختصر مگر جامع تعارف پیش کیا گیا ہے، جس کے ذریعے آپ کے کچھ حالات خصوصاً ایران سے آمد کے اسباب پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ ہم اپنے قارئین کے لیے اسی تعارف سے استفادہ کرتے ہوئے آپ کے چیدہ چیدہ حالات درج کرتے ہیں:

یہ ایرانی النسل بزرگ جنھوں نے ۳۹۔۱۹۳۸ء میں حیدرآباد آکر یہاں مستقل قیام کیا۔ ساری زندگی سالکین و مریدین کی روحانی تربیت فرماتے رہے آپ کا معمول تھا کہ ہر روز بعد نمازِ مغرب (مصطفیٰ مسجد واقع گنج بخش پڑ نزد فقیر کا پڑ میں) اپنے مریدین کے ہمراہ مراقبہ کرتے اور بعد ازاں واعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ انھی تعلیمات کو جناب مرتّب نے قلم بند کیا تھا جسے اب کتابی صورت میں لایا گیا ہے۔ تعلیماتِ مصطفائی کو کتابی صورت میں لانے کے لیے مرتّب کو جناب محمد موسیٰ بھٹو (مدیر: ماہنامہ ''بیداری'' حیدرآباد) کی مدد بھی حاصل رہی ہے۔

آپ نے موہڑہ شریف کے حضرت خواجہ قاسم کیانی رحمۃ اللہ علیہ سے چاروں سلاسل، نقشبندیہ، سہروردیہ، چشتیہ اور قادریہ میں سلوک طے کیا تھا۔ آپ نے ۸۶ برس کی عمر میں ۲۷؍دسمبر ۱۹۸۶ء کو حیدرآباد ہی میں وصال فرمایا۔ آپ کی نمازِ جنازہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی نے پڑھائی۔ آپ کے جسد مبارک کو آپ کے قائم کردہ اخوانِ مصطفائی کے مرکز مصطفائیہ شریف واقع نزد شادی شہید ضلع خیر پور میرس میں سپرد خاک کیا گیا۔

زیر تبصرہ کتاب کی طباعت و پیش کش میں نفاست کا خیال رکھا گیا ہے۔ عمدہ سفید کاغذ، رنگین سرورق اور مطبوعہ جلد کے ساتھ کتاب کا گیٹ اپ دل کش ہے۔ ابتدا ہی میں آرٹ پیپرز پر حضرت پیر ایرانی کی مختلف (رنگین و بلیک اینڈ وائٹ) خوبصورت شبیہات کے عکس طبع کیے گئے ہیں۔

فہرست میں ۳۲۸ عنوانات درج ہیں۔ یہ تمام مضامین سالکین و مریدین کے لیے گوناگوں افادیت کے حامل ہیں۔

آغازِ کتاب میں دیے گئے تعارف میں آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف کے نام بھی درج ہیں۔

ماہنامہ "المصطفیٰ" حیدرآباد کے علاوہ:

(۱) مینائے مصطفائی (حصہ اوّل) (۲) مینائے مصطفائی (حصہ دوم) اور میکدۂ مصطفائی علاوہ ازیں آپ کی تعلیمات پر ایک اور کتاب "رنگِ ربانی" از پروفیسر علی نواز جتوئی مصطفائی بھی شائع ہوچکی ہے۔

کتاب کے مشمولات پر ایک نظر ڈالتے ہی جو موضوعات برائے سالکین و مریدین اہم معلوم ہوتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں: دعا، دعا کے آداب، ربط پیر کے شرائط، سلطان الاذکار، اخلاق حسنہ، بدعت و بدعت سیئہ، سلوک کی تعریف، سلوک میں تربیت کی ضرورت، قلب ایک ریڈیو سیٹ ہے، طریقت کی اصطلاحاتِ، مقاماتِ سلوک، شریعت و طریقت، تصوّرِ شیخ، صوفی کی تعریف، محبت الٰہی، ذکر کے مدارج، مراقبے کی تعریف، مراقبہ، مسلم اور غیر مسلم کے مراقبہ میں فرق، ارتکاز تخیل، فیض کا جاری ہونا، محاسبہ، مرید کی تشریح اور ان کے آداب، نفس کے حقوق، قلب میں ذکر کے اثرات، سالک اور روح کے عروجی و نزولی مقامات، مبتدی، متوسط اور منتہی کی معراج اولیاء اللہ سے محبت رکھنے کی ضرورت، ایسے سینکڑوں عنوانات کے تحت حضرت پیر ایرانی کی تعلیمات اور ہدایات کو اسی کتاب میں یکجا کیا گیا ہے۔

ہم اس مفید کتاب کی اشاعت پر مرتّب اور ناشر کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ صوفیانہ لٹریچر سے دلچسپی رکھنے والوں میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی۔ =/۱۵۰ روپے کتاب کا ہدیہ مناسب ہے۔

تصوّرِ شیخ

مصنّف : حضرت ابوالرضا شاہ محمد عمر رضا روحی قادری چشتی ابوالعلائی، قاتلی، قدس سرہٗ۔

مرتّب : قدیر احمد قدر القادری

ناشر : مکتبۂ سعیدیہ حیدرآباد

ہدیہ : مفت اشاعت بیرون شہر حضرات =/۱۰روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔

ملنے کا پتا : ۲۲۰۔ای یونٹ نمبر۱۱لطیف آباد حیدرآباد سندھ

ضخامت : ۳۲صفحات، سنہ اشاعت، باراوّل، یکم محرم ۱۴۲۱ھ

جیسا کہ رسالے کے نام سے ظاہر ہے یہ تصوُّف کے ایک اہم اور بنیادی تقاضے یعنی رابطۂ شیخ کے موضوع پر مختصر مگر مدلل اور جامع مضمون ہے۔ رسالہ کے آغاز میں ملک کی معروف علمی و مذہبی شخصیّت یعنی پیر طریقت، رہبر شریعت، شیخ الحدیث علاّمہ مولانا ابوحماد مفتی احمد میاں برکاتی مدظلہ العالی، سجّادہ نشین آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ خلیلیہ کی تقریظ جلیل ہے، جس میں مصنف اور مرتّب کے ساتھ ساتھ موضوع پر بھی بڑی عمدگی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

رسالے کا دیباچہ ملک کی ایک اور معروف علمی و مذہبی شخصیت اور شیخ طریقت حضرت علاّمہ مولانا ابوالرضا اللہ بخش نیر مجدّدی مدظلہ العالی نے تحریر کیا ہے۔

دیباچہ نگار نے نہایت تحقیق اور مضبوط دلائل و حوالہ جات سے تصوّرِ شیخ کے مخالفین کا رد کرتے ہوئے مصنّف کی محنت کو کامیاب قرار دیا ہے۔

رسالے کے بارے میں ہم مفتی احمد میاں برکاتی صاحب کی جامع رائے پیش کرنے پر اکتفا کریں گے:

''حضرت روحی قادری علیہ الرحمہ کا نام علماء کی مجلسوں میں اکثر سننے کو ملتا ہے۔۰۰ زیرنظر مضمون میں حضرت قدس سرہ نے ایک اہم پہلو تصوّرِ شیخ پر نہایت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور [اس] ضمن میں بہت سے مسائل اختلافیہ کو قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے۰۰۰ حضرت روحی علیہ الرحمہ نے قلم کی روانی میں آسان اُردو کو استعمال فرمایا ہے۰۰۰ یہ رسالہ ہر مرید اور طالب کے لیے نشانِ منزل ہے۔ اس کا مطالعہ شیخ سے محبت کا راستہ بتاتا ہے اور طالبِ صادق کو مقامات طریقت کی راہ پر گامزن کرتا ہے''۔ (ص ۸)

یہ واضح کرتا چلوں کہ زیرِ نظر مضمون پہلے رسالہ ''الروحی'' کراچی میں بھی قسط وار طبع ہو چکا ہے۔ جسے جناب قدیر احمد قدر القادری نے اس کی افادیت کے پیشِ نظر ''الروحی'' کی قدیم فائلوں سے نکال کر خوب صورت انداز میں بڑی محبت سے پیش کیا ہے۔ یقیناً ان کی یہ سعی لائق مشکور ہے۔

قرآن اور علم جدید (تلخیص)

مصنّف : ڈاکٹر محمد رفیع الدین

تلخیص : محمد موسیٰ بھٹو

ناشر : سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ B/۴۰۰ یونٹ نمبر ۴ لطیف آباد حیدر آباد

قیمت : =/۱۰۰ روپے

ضخامت : ۲۷۲ صفحات، سنہ اشاعت: نومبر ۲۰۰۲ء

زیرِ تبصرہ کتاب حیدر آباد کی معروف علمی شخصیّت جناب حافظ محمد موسیٰ بھٹو کی ایک اور اہم علمی جستجو کا نتیجہ ہے، جو دراصل ممتاز فلسفی ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم (۱۹۰۴ء۔۱۹۶۹ء) کی کتاب ''قرآن اور علم جدید'' کی تلخیص پر مشتمل ہے۔

جناب حافظ محمد موسیٰ بھٹو قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب مدظلہ العالی کے مرید اور سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ کے بانی ہیں۔ اب تک آپ کی مصنفہ، مرتبہ، مؤلفہ کتابوں کی تعداد تین درجن کے قریب پہنچ چکی ہے۔ علاوہ ازیں آپ ماہنامہ ''بیداری'' (سندھی) کے مدیر بھی ہیں۔ سندھی زبان میں اس پرچے کی تحریریں اسلام، تصوّف اور نظریۂ پاکستان کے حوالے سے نہایت اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ حال ہی میں آپ نے ماہنامہ ''بیداری'' اُردو میں بھی جاری کیا ہے۔

الغرض حافظ محمد موسیٰ بھٹو ایک متحرک وفعال علمی و مذہبی شخصیت کے مالک ہیں جو پاکستان اور خاص طور پر سندھ کے نوجوانوں میں اسلام اور تصوّف کی آب یاری کے لیے رات دن کوشاں ہیں۔ اگرچہ آپ کے بعض اعتقاد و نظریات سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے، مگر ان کے اظہار کا یہ موقع ہرگز نہیں ہے۔ تعبیرات سے بصدِ احترام اختلاف کیا جا سکتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب کے آغاز میں حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی رقم طراز ہیں:

''قرآن اور علم جدید، کتاب جدید نظریات کو اسلام کی کسوٹی پر پرکھنے اور اسلام کے نظریۂ لاشعور، نظریۂ جبلّت، نظریۂ فوقیت اور نظریۂ معاش اور اسلام کے نظریۂ قومیت کی تشریح کے سلسلے میں اب تک شایع ہونے والی کتابوں میں سب سے زیادہ نمایاں اور منفرد نوعیت کی کتاب ہے۔ چونکہ یہ کتاب تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس لیے اس کی تلخیص کی ضرورت تھی۔ محمد موسیٰ بھٹو صاحب نے اس کتاب کی تلخیص اور ذیلی سرخیوں کے ذریعے کتاب کے مواد اور اس کے عطر کو ان سرخیوں میں سمونے کی کوشش کر کے اہم خدمت سرانجام دی ہے۔ اس طرح اب اس اہم کتاب سے استفادے کی عام صورت پیدا ہوگئی ہے... کتاب کے آغاز میں حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب نے 'فکر اسلامی کا عظیم سرمایہ' ایک مطالعاتی جائزہ، کے عنوان سے باسٹھ صفحات پر مشتمل مضمون بھی لکھا ہے،... یہ مضمون دور جدید میں مسلم ملّت کو درپیش اجتماعی چیلنج، اور اس کے نظریاتی مسائل کی نشان دہی اور اس چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کے اعتبار سے فکر انگیز نکات پر مشمل ہے''۔ (ص ۲۱۔۲۰)

زیر تبصرہ کتاب کے ابواب اور ان کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں۔

باب اوّل: جدید نظریات کا مطالعہ۔ باب دوّم: میکڈوگل کے نظریۂ جبلت کا مطالعہ

باب سوم: فطرتِ انسانی کا قرآنی نظریہ۔

باب چہارم: فرائیڈ، نظریۂ لاشعور (جنسیّت)

باب پنجم: ایڈلر، نظریۂ لاشعور (حُبِ تفوق)

باب ششم: کارل مارکس، نظریۂ سوشلزم

باب ہفتم: اقتصادی مساوات اور اسلام

باب ہشتم: اسلام کا اعتراض

ان ابواب کے تحت جناب حافظ محمد موسیٰ بھٹو نے متعدد ذیلی عنوانات اور بعض اہم سرخیاں بھی جمائی ہیں جس کے باعث صرف فہرست ہی پر ایک نظر ڈالنے سے کتاب کے مشمولات کا بخوبی تعارف ہو جاتا ہے۔

ذیل میں چند اہم سرخیاں مثالاً پیش کی جاتی ہیں جس سے کتاب کی قدر و قیمت کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

جدید نظریات کی روک تھام کا طریق کار، قرآن، قیامت تک شیطان کی مکاری سے پیدا ہونے والے باطل نظریات کا شافی جواب ہے۔ عہد حاضر کے فلسفے کی تردید کے لیے سلف کی طرف نگاہوں کا اُٹھنا، اسلام کا شاندار مستقبل، عبادت کی اصل احساسِ حُسن ہے، جس کا دوسرا نام محبت ہے۔ صوفیوں کی عبادت سے لاشعور کا آسودہ ہونا۔ نبوت کی رہنمائی کے بغیر فقط ذہنی کاوشوں سے لاشعور کے اسرار و رموز کو سمجھنا ممکن نہیں۔ موت کے وقت عاشق صادق کا خوشی سے لبریز ہونا۔ جستجوے حُسن میں کامیابی سے طاقت کا احساس پیدا ہونا۔ دنیا کی اہم ترین تحریکوں کا اسلام کی خوشہ چینی کرنا۔ یقین کے فقدان کے دور میں اسلام کے قانونی نظام کی تشکیلِ جدید کا نعرہ بے وقت کی راگنی۔ اجتہاد کی موجودہ خواہش غیر اسلامی نظریات سے محبت کا نتیجہ ہے۔ انحطاط کے دور میں متقدمین کی تحقیق کی اہمیت، ایسی ذیلی سرخیاں کتاب میں دلچسپی کے عنصر نیز اس کی افادیت کو بڑھانے میں معاون ثابت ہوئی ہیں۔ فہرست میں ایسے ذیلی عنوانات و سرخیوں کی تعداد ۳۶۱ ہے۔ آغاز کتاب میں مولانا عبدالماجد دریابادی کی کتاب ''معاصرین'' سے ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے بارے میں ان کے تاثرات پیش کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں مصنف کے سوانحی خاکے کا اہتمام بھی مستحسن ہے۔

ہم حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب کو اس خدمت علمی پر تحسین و تبریک پیش کرتے ہیں۔ پیپر بیک کے ساتھ کتاب کی طباعت اچھی ہے۔ قیمت بھی مناسب ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ کتاب کے موضوع کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے شائقین علم و ادب یہ کتاب ضرور خریدیں گے۔

جہانِ حمد (حمد ونعت کا عالمی پیامبر)

شمارہ نمبر : ۹، حضرت صبا اکبر آبادی حمد ونعت نمبر

ضخامت : ۳۸۴ صفحات، سنہ اشاعت: مارچ ۲۰۰۲ء

مُرتّب : طاہر سلطانی، فون نمبر: 4922701

قیمت : =/۱۵۰ روپے

پتا : ۳۸/۲۶۔ بی ون ایریا لیاقت آباد، کراچی، ۷۵۹۰۰ (پاکستان)

ای میل : jahanehamd@yahoo.com

حضرت خواجہ محمد امیر المعروف صبا اکبر آبادی (آگرہ ۱۹۰۸ء۔ کراچی ۱۹۹۱ء) کا تعلق خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ العزیز کے خانوادے سے ہے۔ حضرت صبا اکبر آبادی حمد ونعت، مرثیہ، غزل اور نظم کہنے میں یکساں قدرت رکھتے تھے۔ آپ کے صاحبزادگان میں جناب تاجدار عادل (پروڈیوسر) اور جناب سلطان جمیل نسیم (ممتاز افسانہ نگار) بھی ملک کی جانی پہچانی شخصیتیں ہیں۔ زیرِ نظر شمارے میں آپ کی حمد ونعت کو مختلف اہلِ نظر نے تنقید و تحقیق کے زاویوں سے جانچا ہے۔ زیرِ تبصرہ نمبر کو مندرجہ چار حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ حصّہ اوّل: حمدیہ ادب، حصّہ دوم: نعتیہ ادب، حصّہ سوم: خود کلامی اور حصّہ چہارم: نامور شعراً کا منظوم خراج عقیدت۔

اس خاص نمبر کے چند اہم مضامین ومقالات یہ ہیں۔ صبا اکبر آبادی کے مرثیوں میں حمد نگاری از پروفیسر قیصر نجفی، صبا کی تشبیہات اور استعارات از پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اکیسویں صدی اور صبا اکبر آبادی، از پروفیسر ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی، صبا اکبر آبادی کے نعتیہ قصائد، مسدس، مثنوی از پروفیسر آفاق صدیقی، صبا اکبر آبادی کی نعتیہ شاعری قرآن مبین کی روشنی میں از حافظ ارشد اندھڑ، شاعری کا وقار اہلِ وفا جناب صبا اکبر آبادی از پروفیسر ڈاکٹر خورشید خاور، دستِ دعا بولنے لگے از تاج دار عادل اور صبا اکبر آبادی کی غزل میں نعت از پروفیسر سیّد موسیٰ رضا

ہمیں جناب طاہر سلطانی کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے قارئینِ ادب کو صرف صبا اکبر آبادی کی حمت ونعت کا اس قدر گہرا مطالعہ کرنے کا سامان فراہم کیا۔

آرٹ کارڈ پر طبع شدہ سرورق نہایت دیدہ زیب ہے۔ کتابت کا سائز باریک ہے، طباعت اچھی نہیں کہی جاسکتی۔ کاغذ بھی زیادہ اچھا استعمال نہیں کیا گیا۔

ظاہری خوبیوں کی یہ کمی یقیناً محدود وسائل کا نتیجہ ہے۔ وگرنہ معنوی لحاظ سے کتاب کی قدر و قیمت میں ہرگز کمی نہیں ہے۔ آخر میں حضرت صباؔ صاحب کی ایک نعت ہدیۂ قارئین کرتا ہوں:

اس طرح ہستی کا قصہ پاک ہو — ہم ہوں اور کُوے نبی کی خاک ہو
غایتِ ارضِ مدینہ تھی یہی — ایک جنت بھی تہِ افلاک ہو
رفعتِ معراج سمجھے گا وہی — اپنی پستی کا جسے ادراک ہو
نامۂ اعمال اپنا حشر میں — شاید اس دستِ کرم سے پاک ہو
زخمِ ہجرِ مصطفیٰ ﷺ جو دل میں ہے — پھول دیکھے تو کلیجہ چاک ہو
میری بگڑی بھی بنا دو لطف سے — تم تو آقا سرورِ لولاک ہو
عاصیوں کی پردہ پوشی کے لیے — آپ کی اُتری ہوئی پوشاک ہو
جسم جس کی اس قدر ہے دیکھ بھال — کیا خبر کس خاک کی خوراک ہو
پھر دیارِ شاہِ دیں کا قصد کر — پہلے سب آلائشوں سے پاک ہو
جان دیں گے ہم تو پڑھ پڑھ کے درود — موت چاہے جتنی ہیبت ناک ہو
پوچھتے ہیں سب مقامِ مصطفیٰ ﷺ — لب کُشا اے جذبۂ بے باک ہو
بحرِ اوصافِ نبی کی تہ نہیں — ڈوب کر دیکھو اگر پیراک ہو
وہ چڑھا دو عاشقوں کی قبر پر — جو مدینے کا خس و خاشاک ہو

منزلِ مقصود طیبہ ہے صباؔ
کیوں چلیں وہ راہ جو ناپاک ہو

تم میں وہ شخص سب سے بہتر ہے جس کا اخلاق سب سے بلند ہے

محدّث [اشاعتِ خاص: فتنۂ انکارِ حدیث]

مدیر : حافظ حسن مدنی۔ مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی

ناشر : مجلس تحقیق اسلامی، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

قیمت : =/۱۰۰ روپے

ضخامت : ۲۸۰ صفحات سنہ اشاعت، اگست، ستمبر ۲۰۰۲ء

زیر تبصرہ شمارہ ماہنامہ محدّث لاہور کا خاص نمبر ہے۔ اس کا موضوع حجیت حدیث اور فتنہ انکار حدیث ہے جو نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ بقول علامہ سیّد سلیمان ندوی: ''علوم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہ رگ کی''۔ (ص ۲۳۸)

اس علم شریف کی حفاظت اور نشر و اشاعت میں حضرات محدثین نے جو جو محنتیں اٹھائی ہیں اس سے دنیا کے انصاف پسند محققین بخوبی واقف ہیں۔ تفصیل کا یہ محل نہیں۔ تاہم اس موضوع پر استاذ الاساتذہ قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ کے چند نکات بیان کرنا غیر ضروری نہ ہوں گے۔ آپ فن حدیث کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ:

''...فن حدیث (روایت۔ تاریخی تنقید) اپنے اندر ایسی نزاکتیں رکھتا ہے کہ تاریخ کے ناقدین کا ذہن بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور راویان حدیث کا تقویٰ ایسا تھا کہ وہ بدعات اور صغیرہ تک سے اجتناب کرتے تھے اور چھوٹی چھوٹی برائیوں سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ (بعد میں اہل ہوا نے جعل اور دجل کو ذاتی، سیاسی یا مذہبی اغراض کے لیے اختیار کیا جس کی تفصیل مختلف کتابوں میں ہے) مثلاً بازار میں کھانا پینا، یا راستے میں پیشاب کرنا وغیرہ اور ضبط کا یہ حال تھا کہ کبھی سہو کا شائبہ بھی گوارا نہیں کرتے تھے، روایت کے لیے یہ احتیاط پھر کس سے ہوئی اور کس سے ہو سکتی تھی؟ درایت (اصول تنقید) یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کے پرکھنے کے لیے اصول وضوابط بھی ترتیب دیے گئے اور بتایا گیا کہ درایت بھی صرف اُن

لوگوں کی معتبر ہوسکتی ہے جنھوں نے قرآن و حدیث اور فقہ اسلام کے مطالعے اور تحقیق میں ایک عمر صرف کی ہو۔ ہر کس و ناکس کو اس کا مجاز قرار نہیں دیا جا سکتا''۔

[ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (مقالہ) ''تحقیق کے لوازم''، مشمولہ ''تحقیق'' جامعہ سندھ، شمارہ (۱) ۱۹۸۷ء ص ۳]

لیکن بعض عاقبت نا اندیش اور بدنصیب ایسے بھی ہیں جنھوں نے حجیتِ حدیث کے سلسلے میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کیے اور اپنے نفاق کا ثبوت فراہم کیا۔

زیر تبصرہ شمارے کی خاص اشاعت کا مقصد ایسے ہی فتنہ پردازوں کے ماضی اور حال کو بے نقاب کرنا ہے جو اُمتِ مسلمہ میں اس علم شریف کے بارے میں پہلے شکوک وشبہات و بعدازاں ردوانکار کے ذریعے نفاق پیدا کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

حدیث شریف کے دفاع میں کم وبیش سبھی مسالک نے اپنے اپنے طور پر حصّہ لیا ہے۔ مجلس تحقیق اسلامی (غیر مقلدین) کی یہ سعی یقیناً لائق مشکور ہے کہ انھوں نے اس اہم موضوع پر بکھرے ہوئے تاریخی مواد کو جو زیادہ تر انھی کے علماء وفضلاء کی تحریر ونگارشات پر مشتمل ہے یکجا کر دیا ہے۔ حالانکہ اہلِ سنت و جماعت کے بہت سے رسائل پابندی سے نکلتے ہیں اگر اس موضوع پر ان رسائل کے مطبوعہ مقالات ومضامین کو بھی اس کے اشاریے میں شامل کیا جاتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔ مثلاً ''ضیائے حرم'' ہی کو لے لیجیے جو لاہور سے نکلتا ہے۔ اور ہر موضوع پر قابلِ قدر مواد کا حامل ہوتا ہے۔

زیر تبصرہ شمارے کا سب سے اہم حصّہ اشاریہ جات کا ہے۔ (کاش کہ یہ مکمل ہوتا لیکن غنیمت ہے، کام کا آغاز تو ہوا) جس میں ''برصغیر میں انکار حدیث کا لٹریچر''، ''دفاع حدیث اور اہل حدیث'' دینی رسائل میں حجیت حدیث، پر مضامین کا اشاریہ'' شامل ہے جو اس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں۔ دیگر مقالات ومضامین کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں:

مسٹر غلام احمد پرویز کے کفریہ عقائد، اختلافِ تعبیر قرآن اور منکرین حدیث، پرویز اور اطاعتِ رسول، پرویزیت کے بارے میں علمائے اُمّت کے فتاویٰ، برصغیر میں فتنۂ انکار حدیث کی تاریخ اور اسباب، عہد نبوی میں کتابتِ حدیث، حفاظتِ حدیث میں حفظ کی اہمیت، حفاظتِ

حدیث کے مختلف ذرائع، انکارحدیث حق یا باطل؟، حجیت حدیث پر بعض شبہات کا جائزہ، مقامِ حدیث اور بزم طلوعِ اسلام کویت، حجیت حدیث اور فتنۂ انکارِ حدیث، علاوہ ازیں فتنۂ انکار حدیث کے عنوان سے مدیر حافظ حسن مدنی کا مفصل اداریہ بھی اپنے موضوع پر ایک اہم تحریر ہے۔

'محدث' کی اس اہم اشاعت پر ہم جناب مدیر اور ان کے احباب کو ان کی محنت و کاوش پر تبریک و تحسین پیش کرتے ہیں۔ اور اُمید کرتے ہیں کہ آئندہ ایسی دستاویز کی تیاری میں وسیع القلبی اور وسعت نظری سے کام لیتے ہوئے اہلِ سنت و جماعت کی علمی و دینی اور تحقیقی خدمات کو مناسب جگہ دی جائے گی۔

حمد و نعت کے چند منفرد گلدستے

قصیدۂ بُردہ : ازامام شرف الدّین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وتشریح : پروفیسر علامہ نور بخش توکلی علیہ الرحمہ

ضخامت : ۱۶۴ صفحات، عمدہ کاغذ، رنگین سرورق

ناظم اشاعت : میاں محمد ریاض ہمایوں سعیدی

سنہ اشاعت : رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ، نومبر ۲۰۰۲ء

شرف اشاعت : دارالفیض گنج بخش، لاہور

ملنے کا پتا : ۵۵، حکیم محمد موسیٰ روڈ (ریلوے روڈ، گوالمنڈی) لاہور

ہدیہ : ایصالِ ثواب اُمّتِ رسول ﷺ

مدحتِ شاہ دو عالم ﷺ (بزم وارث کا مختصر نعتیہ انتخاب)

مُرتّب : محمد زکریا شیخ اشرفی

ناشر : حمید وارثی

شائع کردہ : بزمِ وارث، قصرِ وارث، ۱۹۰/۱ شاہ فیصل کالونی، کراچی۔

ضخامت : ۸۰ صفحات (پاکٹ سائز)

سنہ اشاعت : باردوّم، اپریل ۲۰۰۲ء

خصوصیات : رنگین سرورق، سفید کاغذ پر دورنگہ چھپائی، اس گلدستے میں خانوادۂ حضرت عبدالستار وارثی علیہ الرحمہ کے شعرأ کا مختصر تعارف اور انھی کا کلام (مشتمل بر حمد، نعت، منقبت اور سلام) پیش کیا گیا ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں میں

شاعر : سید صبیح الدین صبیح رحمانی

مرتب : محمد محبوب

ناشر : بزمِ غوثیہ نعت انٹرنیشنل، جامع مسجد غوثیہ، اے ایریا، ملیر کالا بورڈ، کراچی، فون: ۷۷۵۸۰۶

ویب سائٹ : www.ghousianaat.com

ہدیہ : =/۱۰ روپے۔

سنہ اشاعت : اوّل: ۱۰ر نومبر ۲۰۰۲ء

ضخامت : ۳۲ صفحات (پاکٹ سائز)

سرورق : طارق رحمٰن فضلی

خصوصیات : یہ نعتیہ گلدستہ، نہایت جاذب نظر اور دل کش ہے۔ رنگیں سرورق کے علاوہ دو رنگ میں چھپائی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ابتدا ''عرض مرتب''، میں سیّد صبیح رحمانی اور ان کے کلام کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔

سلامِ رضا

سلام نگار: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ

تقدیم وتشکیل : صاحبزادہ ابوالحسن واحد رضوی

ناشر : ماہنامہ ''ریاض العلم'' اٹک، آستانہ عالیہ فیض آباد شریف، محمد نگر، اٹک، پنجاب۔

ضخامت : ۴۰ رصفحات

اشاعت : بارِ اوّل، صفر ۱۴۲۳ھ / اپریل ۲۰۰۳ء

ہدیہ : بذریعہ ڈاک منگوانے والے ۱۰ روپے کے ٹکٹ بھیج کر طلب کر سکتے ہیں۔

خصوصیات : یہ اعلیٰ حضرت کا مشہور زمانہ سلام ہے (مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام) یہ سلام سفید کاغذ، رنگین سرورق اور عمدہ چھپائی کے ساتھ منظرِ عام پر آیا ہے۔ صاحبزادہ صاحب نے قارئین کی آسانی کے لیے اِعراب اور عنوانات کا بھی اہتمام کیا ہے۔

اہلِ محبت کی دو تحریریں بعنوان حُبِّ اہلِ بیت

(۱) علامہ صاحب زادہ محمد محبّ اللہ نوری صاحب، حُبِّ اہلِ بیت

(۲) علامہ محمد منشا تابش قصوری صاحب: صبر حسین منزل بہ منزل

ناشر : الحاج محمد مقبول احمد قادری ضیائی

صفحات : ۳۲

سنہ اشاعت : ندارد

ہدیہ : دعائے خیر بحق معاونین رضا اکیڈمی، لاہور

خصوصیات : یہ رسالہ اپنے موضوع پر اہل محبت کے لیے ایک عظیم تحفے کی حیثیت رکھتا ہے۔ صاحب زادہ صاحب نے حوالوں کے ساتھ حُبِّ اہلِ بیت کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالی ہے۔ جب کہ علامہ تابش قصوری نے اپنے مخصوص ادیبانہ آہنگ کے ساتھ عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ جسے اہلِ محبت یقیناً شوق سے پڑھیں گے۔

عصمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلف : خاتم الحفاظ حضرت علامہ امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ : علامہ محمد شہزاد مجددی سیفی

ناشر : سنی لٹریری سوسائٹی ۴۹۔ ریلوے روڈ، لاہور

ضخامت : ۳۲ صفحات، سنہ اشاعت فروری ۲۰۰۳ء

ہدیہ : دعائے خیر بحق معاونین

ویب سائٹ : www.daarulikhlas.cib.net

تعارف : زیرِ نظر رسالہ شہر لاہور کے نوجوان فاضل وادیب جناب مولانا محمد شہزاد مجددی کے اُردو ترجمے پر مشتمل ہے۔ آپ نے نہایت اہمیت کے حامل موضوع پر امام سیوطی علیہ الرحمہ کے رسالے کا انتخاب وترجمہ کر کے اہم دینی خدمت انجام دی ہے۔ پیش نظر رسالے میں ترجمے کے علاوہ عربی متن بھی پیش کیا گیا ہے۔ سنی لٹریری سوسائٹی کا یہ ۳۷واں سلسلہ اشاعت ہے۔

الحدیث

حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

”قبر میں میت ڈوبنے والے کی طرح ہوتی ہے جو مدد کے لیے پکارتا ہے، جب اس کے ماں باپ بھائی یا دوست کی طرف سے ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے تو اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ پیارا ہوتا ہے“

برائے ایصالِ ثواب: نجمہ خاتون مرحومہ والدہ سید جمیل احمد

مجلس شیخ عبدالحق محدث دہلوی

ایک تاثّر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

مجلس شیخ عبدالحق محدث دہلوی (علیہ الرحمۃ) حیدر آباد کے ارکان ایک عرصہ سے محترم جناب شاہ انجم بخاری کی ادارت میں میدانِ ادب وتاریخ میں رواں دواں ہیں۔ دیگر کتب کے علاوہ دینی، علمی اور تحقیقی مجلّہ بنام ''المصداق'' پابندی سے نکالتے ہیں۔ پیش نظر کتابی سلسلہ (۶۔۵) ہے جو کہ ۲۰۰۲ء۔۲۰۰۱ء کا خاص شمارہ ہے۔ بہت سے علمی جواہر پاروں کے ساتھ منظر عام پر آیا۔ اور عُشاق کے لیے ایک خوبصورت گلدستہ کی شکل میں خوشبوؤں کے جھونکے لایا۔ اس شمارے میں تقریباً سترہ معلوماتی مضامین ومقالات شامل ہیں۔ جن میں سے تین حضرت شیخ محقق علیہ الرحمۃ کے ہیں۔ تذکروں میں علامہ فاضل شمسی کا تذکرہ خوب ہے۔ حضرت شیخ کے دو رسالے ''رسالہ نوریہ سلطانیہ'' اور ''زاد المتقین'' پر شاندار اور جاندار تبصروں نے بھی مجلّہ میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اور مزید سونے پر سہاگہ وہ خصوصی مقالہ ہے جو مولانا احمد اللہ شاہ سپہ سالار و شہید جنگِ آزادی پر لکھا گیا ہے۔ جنگِ آزادی ۵۷ء پر راقم الحروف نے ماہنامہ ''ترجمانِ اہلسنت'' کراچی کا نمبر بھی نکالا تھا۔ جس میں تمام شہداء کا حتی الامکان تذکرہ کیا گیا تھا ___ ''المصداق'' کے اس شمارے کے بعد مجلس شیخ نے حسبِ وعدہ ''مُعید الایمان'' طبع کرایا اور ایمانی خزانوں میں ایک گرانقدر اضافہ فرمایا۔ ابھی قارئین مجلس کے ان جلوؤں کی تابانیوں سے پوری طرح منور نہ ہوئے تھے کہ مجلس شیخ نے ایک اور اہم رسالہ مسمی بنام ''روضات'' کو مجمع علماء و ادباء میں رکھ دیا۔ یہ رسالہ بھی حضرت شیخ کی طرف منسوب ہے۔ مگر اس رسالہ کی نسبت حضرت شیخ محقق کی طرف کرنے میں بہت زیادہ کلام ہے جس کو رسالہ کے شروع میں نقل کیا گیا ہے۔ اپنی تمام تر مشمولات کے ساتھ یہ رسالہ تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے۔ قحط الرجالی کے اس دور میں اس کتاب کا چھپ جانا ہی حضرت شیخ کی کرامت اور تصرف ہوسکتا ہے۔

جناب شاہ انجم بخاری صاحب ان کاوشوں پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس فاضل نوجوان کی اُمنگوں میں مزید برکت دے اور اس کو جاری رکھے۔

ابوحماد مفتی احمد میاں برکاتی

مہتمم وشیخ الحدیث

دار العلوم احسن البرکات حیدر آباد سندھ

ع شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات

اپیل

مخیرّ حضرات سے اپیل ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ دینی و اصلاحی کتب کی اشاعت کے لیے مجلس سے تعاون فرمائیں۔

مذکورہ کتب کی اشاعت کے لیے رقم کے بجائے کمپوزنگ، کاغذ، بائنڈنگ اور چھپائی کے انتظامات کی صورت میں بھی تعاون کیا جا سکتا ہے۔

دینی کتابوں کی اشاعت میں آپ کا یہ تعاون صدقۂ جاریہ کی مثل ہو گا۔ اپنے مرحومین کے ایصال ثواب اور ان کے لیے صدقۂ جاریہ کا بہترین موقع آپ کو میسر آ رہا ہے۔ اگر آپ اپنے پیاروں کی روح کو ثواب پہنچانا چاہتے ہیں، تو اس کی ایک بہتر صورت آپ کے سامنے ہے۔

مجلس کے اشاعتی پروگرام سے تعاون کیجیے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کیجیے۔

مجلس شیخ عبدالحق محدث دہلوی

AL-MISDAQ
HYDERABAD

سلسلۂ کتب

المصداق
حیدرآباد

زیرِ اہتمام :- مجلس شیخ عبدالحق محدث دہلوی حیدرآباد ہند

اغراض و مقاصد

☆ امام اہل سنت حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی علمی و دینی خدمات پر تحقیق

☆ حضرت شیخ محقق علیہ الرحمہ کی تعلیمات کی روشنی میں تبلیغ اسلام و عقائد حقّہ کی اشاعت

☆ حضرت شیخ محقق علیہ الرحمہ نیز دیگر علمائے اہل سنت کی غیر مطبوعہ اور کم یاب کتب کی معیاری اشاعت و تقسیم

اہل اسلام سے اپیل

مجلس شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے تعاون کیجیے اور جہالت و بدعقیدگی کے خلاف قلمی جہاد میں حصہ لیجیے۔